ماہنامہ

# دلیلِ راہ

لاہور

دسمبر 2024 ـ جمادی الثانی 1446ھ

امیر المؤمنین

الصدیق

ابوبکر

الصدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خلیفة الرسول

الصحابی

ارحم بامتی

ثانی اثنین

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ
# دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 12 | دسمبر 2024ء | جلد 32

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

مشیر ادارت
ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز
- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف • شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین
- ابومحی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ
30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ
600 روپے

جاز کیش، ایزی پیسہ
0323-8400651

بیرون ملک سالانہ
200 ڈالر، 100 پونڈز

## ہر چہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

| | | | |
|---|---|---|---|
| 1 | نعت شریف | دانا اکبر آبادی | 4 |
| 2 | گفتنی و ناگفتنی | سید ریاض حسین شاہ | 5 |
| 3 | تبصرہ و تذکرہ | سید ریاض حسین شاہ | 13 |
| 4 | درس حدیث | حافظ سخی احمد خان | 18 |
| 5 | سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ | آصف بلال آصف | 22 |
| 6 | سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک جنات کے نام | پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم | 24 |
| 7 | سنابلِ نور | سید ریاض حسین شاہ | 27 |
| 8 | زندگی قرآن کے ساتھ | مفتی محمد لیاقت علی نقشبندی | 29 |
| 9 | ہدیۂ حروف | سید ریاض حسین شاہ | 30 |
| 10 | خلافت راشدہ بارے اہلِ سنت کا عقیدہ | حافظ محمد ارشد | 31 |
| 11 | مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ | ملک محبوب الرسول قادری | 34 |
| 12 | حضرت مولانا احمد شاہ نورانی رحمۃ اللہ علیہ | ماسٹر احسان الٰہی | 39 |
| 13 | معروضاتِ ضیغم | انجینئر سرفراز احمد ضیغم | 42 |

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038
ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

# شہنشاہِ مدینہ

شہنشاہِ مدینہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
دو عالم کا نگینہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

چھلکتی ہے شرابِ عشق جس سے
وہ نازک آب گینہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسائی ہے خدا تک جس کے باعث
ہدایت کا وہ زینہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسالت کا مرصّع تاج ہیں وہ
محبت کا سفینہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جو ہے معمور علم و حلم و حکمت
وہ عالیشاں خزینہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مجھے پروائے طورِ سینا کیوں ہو
ازل سے نورِ سینہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بفیضِ عشق جاں افروز دانا
فروغِ قلب و سینہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دانا اکبرآبادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# فکرِ شباب

اللہ کی ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔شباب اور جوانی بھی خدا کی نعمت ہے۔اس لیے اس پر بھی شکر واجب ہے۔کتنے بخت آور ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ جل جلالہٗ اپنے اس عطیے سے نوازتا ہے اور طاقت،قوت،حسن و جمال ایسی عطاؤں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

جوانو!غور کرو وہ اللہ کی ذات ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ارض وسماء ہے۔۔۔۔۔فلک وثریٰ ہے۔۔۔۔۔گھنگھور گھٹائیں ہیں۔۔۔۔۔خوش منظر فضائیں ہیں۔۔۔۔۔حرکت وثبات ہے۔۔۔۔۔جماد ونبات ہے۔۔۔۔۔یمین و یسار ہیں۔۔۔۔۔دریا و ابحار ہیں۔

روشن دن اور گہری راتیں،سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے،یہ موت وحیات کے سلسلے اسی نے شروع کیے۔یہ گورے اور کالے انسان اسی نے پیدا کیے۔ان وحوش وطیور کو جان اسی نے بخشی،یہ بوڑھے اور ناتواں لوگ اسی کے حکم سے خمیدہ کمر ہوئے،یہ وہی ہے جو چاہتا ہے سو کرتا ہے،چاہے تو امیروں کو غریب اور غریبوں کو امیر کر دے،چاہے تو شاہوں کو گدا اور گداؤں کو شاہ بنا دے۔چاہے تو معصوم بچوں سے ظلِ پدری چھین کر انہیں یتیم کر دے اور چاہے تو خوش عیش عورتوں کے سہاگ چھین کر انہیں بیوہ کر دے اس پر کسی کا زور نہیں۔وہ خدا ہے ہم بندے،وہ جابر ہے،ہم مجبور۔۔۔۔۔وہ خالق ہے،ہم مخلوق۔۔۔۔۔وہ مراد ہم مرید۔۔۔۔۔وہ قادر ہے ہم مقدر۔۔۔۔۔وہ مالک ہے ہم مملوک۔۔۔۔۔مرضی اسی کی چلتی ہے۔بندہ چاہے بھی تو کیا چاہے،قدرتیں ساری تو اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

ان اللہ علی کل شی قدیر

مانا کہ آج تم جوان ہو۔۔۔۔۔آج تم طاقت میں ہو۔۔۔۔۔آج تم اپنے جیسا کسی کو نہیں سمجھتے۔آج تمہاری نظر شوخ ہے۔۔۔۔۔آج تمہارے ارادے شرر شرر ہیں۔۔۔۔۔آج حسن تمہارے گرد اگرد گھومتا ہے۔۔۔۔۔آج ادائیں تمہارا طواف کرتی ہیں۔

تسلیم کیا!۔۔۔۔۔دولت بھی تمہارے پاس ہے۔۔۔۔۔ثروت بھی تمہارے پاس ہے۔دوڑتی گاڑیاں اور فلک بوس عمارتیں بھی تمہارے پاس ہیں۔دوستوں کی کثرت اور رشتوں کی فراوانی،سب کچھ تم رکھتے ہو،چلو یہ بھی مان لیا کہ تم چاہو تو ستارے جڑ جائیں اور پہاڑ اڑ جائیں اس لیے کہ دنیا تمہاری ہے اور اس سے بھی انکار نہیں کہ۔۔۔۔۔بچپنے کی لاشعوری۔۔۔۔۔بڑھاپے کی ناتوانی۔۔۔۔۔غربت کی پریشانیاں۔۔۔۔۔مسکنت کی قیامت سامانیاں۔۔۔۔۔تہی دست ہونے کا درد اور محتاج ہونے کا اضطراب۔۔۔۔۔تم نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔

چلو یہ بھی سہی کہ:

ماں تمہیں ہی اپنا قبلہ سمجھتی رہی۔۔۔۔۔باپ تمہیں ہی اپنا مقصود تصور کرتا رہا۔۔۔۔۔استاد اپنا دستِ شفقت تمہارے ہی سر پر رکھتا رہا۔۔۔۔۔ماحول تم پر ہی فدا ہوتا رہا۔۔۔۔۔معاشرہ تمہاری ہی رائے کو قوی سمجھتا رہا۔فیصلہ وقضاء کی طنابیں تمہارے ہی ہاتھ میں رہیں۔۔۔۔۔خوبیوں کا مرجع۔۔۔۔۔محاسن کا مصدر۔۔۔۔۔حقوق کا محور۔۔۔۔۔داد وتحسین کا مرکز۔۔۔۔۔سب کچھ تم ہی ہو۔

لیکن کبھی سوچا اور غور کیا کہ:

قطرۂ آب سے کون پیدا ہوا؟۔۔۔۔۔شکم مادر میں بے کسی کی زندگی کس نے بسر کی؟۔۔۔۔۔بچپنے میں قدم قدم پر ناتوانیوں کے ہجوم نے کسے گھیرا؟۔۔۔۔۔ماں کی ممتا کے لیے کون ترسا؟۔۔۔۔۔باپ کی شفقت کے لیے کون تڑپا؟۔۔۔۔۔سردیوں کی شدت نے کس کو رلایا؟۔۔۔۔۔گرمیوں کی حدت نے کس کو تنگ کیا؟۔۔۔۔۔نجاست سے لتھڑے کپڑوں میں راتیں کس کی گزریں؟۔۔۔۔۔غلاظتوں کے ڈھیر میں کون آلودہ ہوا؟۔۔۔۔۔معصوم معصوم ہاتھوں کو دوسروں کے ٹکڑوں کی طرف کس نے پھیلایا؟۔۔۔۔۔کج مج زبان سے مہمل باتیں کس نے کیں؟

شباب ہمیشہ رہے گا؟۔۔۔۔۔عمر کے سائے نہیں ڈھلیں گے؟۔۔۔۔۔موت کی ہچکیاں نہیں لگیں گی؟۔۔۔۔۔خدا کی کچہری میں پیشی نہیں ہوگی؟

جوانو!چاند بھی ایک صورت میں نہیں رہتا،کبھی ہلال،کبھی قمر،کبھی بدر ہوتا ہے تمہیں بھی اس دنیا میں سدا نہیں رہنا۔یہاں جو آیا ہے جانے کے لیے اور جو پیدا ہوا ہے وہ مرنے کے لیے،

بقا تو صرف اللہ کی ذات کے لیے ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾
(الرحمٰن ۲۶ تا ۲۸)

”اس پر جتنے ہیں ہر ایک کو فنا ہے اور تیرے پروردگار کی ذات باقی ہے جو عظمت والا اور اکرام والا ہے،تُو اپنے ربّ کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے“۔

آج ہمارے نوجوانوں کی حالت پتلی ہے۔۔۔۔۔ان کی سوچ سرسری ہے۔ان کے اخلاق کھوکھلے ہو چکے ہیں۔۔۔۔۔ان کی پیشانیاں سجدوں کے نور سے محروم ہیں۔۔۔۔۔ان کی آنکھیں آبِ عصمت سے بھرپور ہیں۔۔۔۔۔ان کی زبانیں جنسی بے راہ روی سے آلودہ ہیں۔۔۔۔۔ان کا تخیل بربادیوں کا شکار ہے۔۔۔۔۔ان کے افکار باطل تصورات کے اندھیروں

میں ڈوبے ہیں۔۔۔۔۔مغربی تقلید نے ان کے ہاں اسلامی نظریاتی خیموں کو اجاڑ رکھا ہے۔

ہم پاکیزہ شباب اور مطہر فکر رکھنے والے نوجوانوں کی بات نہیں کرتے۔ ہمیں شکوہ تو ان شرزدوں سے ہے۔

جنہیں بہن اور ماں کی تمیز نہیں۔۔۔۔۔خیر اور نیکی کا پاس نہیں۔۔۔۔۔صبح خرمستیاں، شام آوارہ گردیاں۔۔۔۔۔گلیوں میں تنکوں کی طرح اڑنا۔۔۔۔۔کوچوں میں خاک کی طرح ذلیل ہونا۔۔۔۔۔ادھر جھانکنا، اُدھر تاڑنا، اسے گالی، اُسے چھیڑنا۔۔۔۔۔پڑھنے سے گریز، کھیلنے سے شغف۔۔۔۔۔چلنا تو اکڑ اکڑ کر، بولنا تو بگڑ بگڑ کر، ہنسنا تو کھل کھل کر، کھانا تو مچل مچل کر، سونا تو بجھ بجھ کر، جاگنا تو رُک رُک کر، مستی ہی مستی، نشہ ہی نشہ۔

ماں کا ادب نہیں۔۔۔۔۔باپ کا احترام نہیں۔۔۔۔۔استاد کی توقیر نہیں۔۔۔۔۔

شرم جہاں نہیں خوفِ خدا نہیں۔۔۔۔۔قدم قدم نغمے، گام گام گانے۔۔۔۔۔لحظہ لحظہ غفلت۔۔۔۔۔لمحہ لمحہ جہالت عریانیت کے طوفان۔۔۔۔۔فحاشی کی آندھیاں۔۔۔۔۔

کس سے گلہ کس سے شکوہ۔۔۔۔۔

اے بندگانِ خدا سوچو تو سہی! سنو تو سہی تمہارا خدا تم سے کیا کہتا ہے:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

(سورۂ یونس ۲۵ تا ۲۷)

’’اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے، احسان کرنے والوں کے لیے اچھی جزائیں ہیں بلکہ مزید بھی اور اُن کے چہروں پر رسوائی کا غبار اور ذلت نہ چھائے گی، یہی لوگ جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جنہوں نے بُرائیاں کمائیں تو ہر گناہ کا بدلہ اسی جیسا ہے اور اُن پر ذلّت چھا جائے گی، انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا جیسے کہ اُن کے چہروں پر تاریک رات کا ایک ٹکڑا کاٹ کر چڑھا دیا گیا ہو، وہی لوگ جہنم والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے‘‘۔

نوجوانو! کبھی غور کیا کہ:

تم کس شجر کی شاخ ہو۔۔۔۔۔کس پھول کی کلی ہو۔۔۔۔۔کس آسمان کے ستارے ہو۔۔۔۔۔کس پربت کا ناز ہو۔۔۔۔۔کس کہکشاں کا حسن ہو۔۔۔۔۔کس چمن کے پروردہ ہو؟۔۔۔۔۔کس نور کی جھلک ہو۔۔۔۔۔کس آنکھ کی ٹھنڈک اور کس دل کی دھڑکن ہو؟۔۔۔۔۔کس آغوش نے تمہیں پالا ہے؟

یقیناً تم جانتے ہو کہ تمہارے ہاتھ میں پکڑی ہوئی رسی کا دوسرا سرا فخرِ رسالت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ میں ہے۔

کیا تم یہ بھول گئے ہو کہ تمہارے کانوں نے دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلی جو آواز سنی تھی وہ خالقِ ارض و سما سے وفا اور سکونِ فلک و ثریٰ رسالت مآب ﷺ کی غلامی کی دعوت تھی اور یہ بات بھی شک و شبہ سے بالا ہے کہ تمہاری زبان نے بار ہا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے میٹھے میٹھے نام کی مالا جپ کر وفاؤں کا اظہار کیا ہے۔ تمہیں جس ماں نے پالا ہے وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی فدائی تھی۔ تمہیں جس باپ نے تربیت دی ہے وہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غلام تھا۔ تم نے جس ماحول میں آنکھ کھولی ہے یقیناً اس میں دعوتِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پہنچی ہے، تم اگر برباد ہوئے، تمہارے اخلاق اگر کسی نے بگاڑے۔۔۔۔۔تم اگر فساد کے کھوکھلے دہانے پر آ کھڑے ہوئے۔۔۔۔۔تو اس میں سارا قصور، ساری کمزوری اور ساری غلطی اس شرذمّہ ذلیلہ کی ہے جسے تم اپنا سمجھتے رہے ہو۔ یہ سارا فساد، یہ سارا جرم ''یہود'' کا ہے ''نصاریٰ'' کا ہے، مشرکین کا ہے اور ہر اس تہذیب کا ہے جس میں الحاد و فساد کو میٹھا اور شیریں بنا کر دکھایا گیا ہے۔

ان ہاتھوں کو پہچانو جنہوں نے تم سے قرآن چھینا اور بلّا گیند تھمایا۔۔۔۔۔ان سازشیوں کو بے نقاب کرو جنہوں نے سنت مصطفیٰ ﷺ کی تصویر تم سے اوجھل رکھی اور فلموں کے پردوں پر تمہاری ہی بہنوں کی تھرکتی تصویریں تمہیں دکھا کر تمہاری غیرت کو سلایا، یہاں تک کہ تم اپنی بہنوں اور ماؤں کو برہنہ دیکھ کر مستانے ہاتھیوں کی طرح اور شہوانی ریچھوں کی طرح ناچنے لگے، ہاں ان حاکموں کو بھی معاف نہ کرو جنہوں نے قوم کے گلے میں اسلام کا تعویذ تو ڈالا لیکن نظامِ زندگی سے ''ابلیسی'' مشوروں کو نہ نکال سکے۔

وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ﴿۲۴﴾ (النمل:۲۴)

''اور شیطان نے اُن کے اعمال کو مزین کر کے راہِ حق سے انہیں روک رکھا ہے اور وہ ہدایت کی طرف آتے ہی نہیں''۔

اس زار و زبوں دنیا میں رہتے ہوئے تم نے ضرور یہ جان لیا ہوگا کہ آج انسانیت کو خطرات نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ چارسُو بے یقینی کی فضا نے آدمیت کو لرزا کر رکھ دیا ہے۔ شاید تم سمجھتے ہو کہ میرا اشارہ مہلک ہتھیاروں کی تخلیق کی طرف ہے یا عالم کش اور نفس سوز زہریلے بموں کو میں انسانوں کے لیے فساد انگیز تصور کرتا ہوں۔ اپنی جگہ یہ ساری چیزیں خوف آفریں ہیں لیکن اس دنیا کے باسیوں کا اصل مسئلہ ان عالی اقدار کا مٹ جانا ہے جن سے انسانیت صحیح معنوں میں ارتقاء کی منزلوں کی طرف گامزن ہو سکتی ہے۔ چکی کا پاٹ خطرناک اس وقت ہی ہوتا ہے جب وہ اپنے محور سے سرک جائے۔ آج کے انسان کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے مرکز سے ہٹ چکا ہے۔ انسانیت کو اپنے مدار پر دوبارہ لانے کے لیے ایک زبردست علمی و عملی اور روحانی انقلاب کی ضرورت ہے اور ایک ایسی قوت بھی درکار ہے جو اس عظیم کارنامے کو بجا لانے کے لیے اپنا کندھا آگے بڑھائے۔

اب مشاہدات اور عالمی حالات نے اس بات کو پوری طرح خارج از بحث کر دیا ہے کہ انسانوں کے لیے مغربی طریق حیات نفع مند ہے یا مشرقی فکرِ خود آفرید؟

زندگی کی دوڑ میں یونان کا فلسفہ، مشرق کی روایات اور مغرب کے نظام سب ناکام ہو چکے ہیں۔ انسانیت نے قدیم جدید اور دائیں بائیں سب سے مایوس ہو کر اس حقیقت کی طرف سفر شروع کر دیا ہے جس سے امن و سکون کی جنتیں آباد ہو سکتی ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ یہی آدمیت کا اصل مرکز ہے۔ اسے ہی اسلام اور ایمان ایسی اصطلاحوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ روحانی کائنات کا یہی وہ محور ہے جس کے گرد گھوم کر عالمی امن اور اخروی سعادتوں کی ضمانت مہیا کی جا سکتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ انسانوں کی ضرورت، نظریات کی تلاش نہیں، قیادت کی جستجو ہے۔ اب کون ہیں وہ لوگ جن کی مردانہ قوت اور فتوانہ شان قافلۂ انسانیت کو اٹھا کر صراطِ مستقیم پر رواں کر دے۔ انسانی رہنمائی کا یہ عظیم کارنامہ ایٹمی توانائی سے سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ تسخیر کائنات کے ایجاداتی مظاہرے انسانوں کی ارواح کو ٹھنڈک اور سکون نہیں پہنچا سکتے۔ آخر اس قوت کی تلاش کیوں نہیں کی جاتی جس نے ماضی کی تاریخ میں اس نوعیت کا ایک عظیم انقلاب بپا کیا ہے اور یقیناً وہ نظام مصطفیٰ ہے۔ یہی وہ طاقت ہے جسے آج بھی استعمال کیا جائے تو عالمی بے چینی دُور کی جا سکتی ہے لیکن اس قوت کے زور

آور استعمال کے لیے ایسے ری ایکٹر چاہییں جن کے اندر فطرت نے انقلابی صلاحیتیں ودیعت کی ہوں۔ میرے خیال میں بجا طور پر اسلامی برقی قوتیں ملت کے نوجوان ہیں بشرطیکہ وہ اپنا وتیرہ بدل لیں اور قومی ترقی اور ملی نمو کا احساس ان میں اجاگر ہو جائے۔

یہ ہوسکتا ہے کہ وہ نفسیاتی سکون کے حصول کے لیے بربادیوں کا سارا بوجھ اپنے بزرگوں کے کندھوں پر پھینک دیں یا پھر توجیہہ اور توضیح کا یہ راستہ اختیار کرلیں کہ یہ دور شرافت کا نہیں، یہاں نیکی کو تحریکی صورت میں اپنانے پر مذاق بننے والی بات ہے۔ یہ بحث تو الگ ہے۔ نیک لوگ اگر یہ فلسفہ اپنالیں کہ ''ہر شخص کو اپنی اپنی قبر میں جانا ہے'' اور مغرور عناصر یہ منطق اختیار کرلیں کہ ہمارا دور نیکی کا دور ہی نہیں تو نتیجہ کیا برآمد ہوگا۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ معقولیت نہیں کہ چوروں کو دیکھ کر آدمی چور اس لیے بن جائے کہ اگر میں چور نہ بنا تو لوگ مذاق کریں گے۔ شرابیوں کو دیکھ کر شراب اس لیے پی جائے کہ اگر میں نے شراب نہ پی تو لوگ ٹھٹھہ کریں گے۔ اس وقت نوجوان مسلمان فسق و فجور کو بطور فیشن اپنا رہے ہیں محض اس لیے کہ اگر ہم نے اس غلط تہذیب کی بساط کو یکسر الٹ دیا تو مذاق بن جائیں گے حالانکہ قیامت کا معاملہ بالکل ہی دوسری نوعیت کا ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اَجۡرَمُوۡا کَانُوۡا مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یَضۡحَکُوۡنَ ﴿۲۹﴾ وَ اِذَا مَرُّوۡا بِہِمۡ یَتَغَامَزُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَ اِذَا انۡقَلَبُوۡۤا
اِلٰۤی اَہۡلِہِمُ انۡقَلَبُوۡا فَکِہِیۡنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا رَاَوۡہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَ مَاۤ اُرۡسِلُوۡا عَلَیۡہِمۡ
حٰفِظِیۡنَ ﴿۳۳﴾ فَالۡیَوۡمَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنَ الۡکُفَّارِ یَضۡحَکُوۡنَ ﴿۳۴﴾ (المطففین: ۲۹ تا ۳۴)

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے جرائم کیے وہ ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہنسا کرتے تھے اور جب وہ ان پر گزرتے تو ایک دوسرے کی طرف ذلت آمیز اشاروں سے اُن کا مذاق اڑاتے اور جب اپنے گھر والوں کی طرف پلٹتے تو خوش گپیاں کرتے ہوئے لوٹتے اور جب وہ ایمان والوں کو دیکھتے کہتے بے شک یہی اصل راہ سے ہٹے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ اُن پر محافظ بنا کر تھوڑے ہی بھیجے گئے تھے، پس آج وہ جو ایمان لائے کفار پر ہنس رہے ہیں''۔

نوجوانو!

اس وقت تمہاری سوسائٹی وہ حمام بن چکی ہے جس میں اس کا ہر رکن ننگا کھڑا ہے، بجائے اس کے کہ بے حیائی کا یہ انداز تم خود اپناؤ اس کے خلاف سینہ سپر ہو جاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق ایک ایسے جہاد کا آغاز کرو جس کے نتیجے میں خدا کا دین تمام شؤنِ حیات میں غلبہ حاصل کرے۔

حتی یکون الدین للہ

شاید اپنی جگہ تم یہ امید لگائے بیٹھے ہو کہ زندگی کا یہ عالی مقصد پورا کرنے کے لیے ایک ارب سے زیادہ مسلمان موجود ہیں۔ پچاس سے زیادہ اسلامی ریاستیں کام کر رہی ہیں اور زمین پر لاکھوں مسجدوں کے مینار اٹھائے جا رہے ہیں۔

یاد رکھو!

میں قرآن مجید کے گہرے اور عمیق مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس عالمِ رنگ و بو میں اس وقت ایک جہالت وہ ہے جو دنیائے کفر کی طرف سے پھیلائی جا رہی ہے اور دوسری وہ جسے مسلمان بغل میں دبائے ہیں۔ ایک طاغوت کفر کی صورت میں ہے اور دوسرا طاغوت وہ مسلمان ریاستیں ہیں جن میں خدا کے دین کی بجائے سرمایہ داریت، شہنشاہیت، جنگل راج،

اشتراکیت اور عبث جمہوریت کے صنم پوجے جا رہے ہیں۔ اب تم بتاؤ ایک گھر کو آگ لگ جائے تو اُسے بجھانے کی سرتوڑ کوشش کی جاتی ہے۔ سارا عالم بدی اور شرک کی آگ میں جل رہا ہے لیکن کیا مسلمان کیا کافر اسے بجھانے کی بجائے اس پر تیل چھڑک رہے ہیں۔

لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (الکہف:۲۶)

''نہ وہ کسی کو اپنی حکومت میں شریک کرتا ہے''۔

ان نار بداماں حالات میں زندہ دلوں کی دھڑکن اور فطرت کی آواز نوجوان ہو سکتے ہیں۔ جن کے جلنے، کٹنے، مرنے اور قربانی دینے سے وہ نسل کھڑی ہو سکتی ہے جس کی حرکت و محنت سے اس دُنیا کا نقشہ بدلا جا سکتا ہے اور خلافتِ الٰہیہ جیسا پاک مقصدِ رسالت پورا کیا جا سکتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْـــــًٔا ۭ (النور:۵۵)

''اللہ نے تم میں سے ایمان والوں اور اچھے کام کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت سے نوازے گا جیسا اُس نے ان سے پہلے لوگوں کو زمینی حکومت عطا کی تھی اور وہ ان کے لیے اُن کے دین جسے اُس نے اُن کے لیے پسند کیا مستحکم فرمائے گا اور اُن کے پچھلے خوف کو امن سے ضرور تبدیل فرمائے گا، وہ میری ہی عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے''۔

قیامِ خلافت اور نظامِ عبادت اسلام میں ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں اور ان دونوں کے حصول کے لیے ایک مسلسل جہاد کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مواد اللہ تعالیٰ نے صرف نوجوانوں کو عطا کر رکھا ہے۔

نوجوانوں کی اس وقت دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو کا ملاً اپنے آپ کو بندۂ شیطان بنا چکے ہیں اور دوسرے وہ جن کی آنکھوں میں ابھی تک دینی غیرت اور حمیت موجود ہے اور معصوم دینی نوجوانوں کی بدقسمتی کہ مذہبی جاگیرداری نظام نے انہیں اپنی بوسیدہ روایات کی پرستش کا اس قدر خوگر بنا دیا ہے کہ اسلام کا انقلابی فلسفۂ حیات ان کی سمجھ سے از حد باہر ہو گیا ہے۔ ایک عرصہ سے گوہر نظر جوانوں کے شباب ڈھل کر بڑھاپے میں بدل رہے ہیں اور مسلمانوں کی پارہ نظر نسلیں آنے والی نسل کی گود میں دم توڑ رہی ہیں لیکن روایتی جنون کے سیاہ ناگ برابر کاٹتے چلے جا رہے ہیں، یہاں یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ ہم روایات دشمنی سے ہرگز مادر پدر آزاد ہونا مراد نہیں لیتے۔ ہماری نظر میں اب بھی ''انقلاب'' رسول اللہ ﷺ کی کامل اور مکمل اطاعت اور اتباع ہی سے آئے گا لیکن ہمارے نزدیک اتباع اور اطاعت کا مفہوم نہایت وسعت رکھتا ہے۔ ہم انقلاب کے لیے اس دورِ جدید میں بھی ایک زبردست، ٹھوس اور ثمر آور تحریک کے لیے منہجِ رسالت کی جز بجز اطاعت لازم تصور کرتے ہیں۔ بات یہ ہو رہی تھی کہ دینی نوجوانوں کا معصوم اور مظلوم گروہ بُری طرح ''مولویانہ رقابتوں'' کی بھینٹ چڑھ رہا ہے۔ فرقہ وارانہ ابحاث اور طلسمات نے ایک پوری نسل کو مسل ڈالا ہے۔ خانقاہ اور محراب باستثنائے نیک دلاں مایوسی اور بدنظمی کے جھنجھنوں سے کھیل رہے ہیں۔ مادہ گیری کے جتنے طریقے یہاں سے جنم لیتے ہیں، ابلیسی ماہرین معاشیات کے علم میں بھی نہ ہوں گے۔

ہمارا مقصد کسی بھی ''حلقۂ آدمیت'' سے مخالفت برائے مخالفت نہیں بلکہ ہم تو ''نوجوانوں'' کی ایک ایسی ''ٹیم'' دیکھنا

چاہتے ہیں جو قرآن اور سنت رسول ﷺ کا فہم ٹھیک دورِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تناظر میں رکھ کر حاصل کرے اور پھر یکسوئی سے دینی دعوت عام کرے لیکن کمال کی حد تک۔۔۔عمل کرے لیکن اخلاص کا نور لے کر۔۔۔جہاد کرے لیکن فیصلہ کن عزائم سے اور نتیجتاً اسلام نافذ کرے، انسانیت کی بھلائی کے لیے اس راہِ حق میں دولت اس کے راستے نہ بدل سکے۔

جزوی اقتدار اس کی گردن جھکانے میں ناکام ہو جائے۔

جہالت نورِ بصیرت چھیننے میں منہ کی کھائے

باطل عناصر کے مسلم شکن حربے انہی کے پاؤں کی زنجیر بن جائیں۔

میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ لکھتے ہوئے میرا قلم خجالت سے چیختا ہے۔حروف انقلاب پیدا نہیں کرتے۔انقلاب کے لیے ایک جانباز، ایماندار اور حوصلہ کیش قوم درکار ہوتی ہے۔شاید قوم سازی اور استقبال نوازی کی یہ عظیم خدمت کسی غریب گھرانے کا کوئی نوجوان سرانجام دے لیکن خاک ہو جائیں گے ہم ان کو خبر ہونے تک، مے کشی کی رسم نبھانا آسان ہے اور ہاؤ ہُو کی محفلیں ممکن، لیکن دل کے تاروں پر حقیقت کا نغمہ چھیڑنا اور لوگوں کے خون کو مائل بہ جہاد کرنا کارے دارد۔

نوجوانو! ہمیں پاکستان بنانا ہے اپنے اجسام پر۔۔۔۔اپنے اجساد پر اپنی ارواح پر، سیرت میں کردار میں، زمان و مکاں میں، حالات خواہ کیسے بھی ہوں۔۔۔۔ہمیں پاکستان بنانا ہے۔۔۔۔پاکستان کو پاکستان بنانا ہے۔۔۔۔جل کر، کٹ کر، مر کر۔۔۔۔خدا کی ساری زمین کو پاکستان بنانا ہے۔۔۔اسلامستان بنانا ہے۔۔۔۔نورستان بنانا ہے۔خدا کی تائید سے، مصطفیٰ ﷺ کی نگاہ سے اور قرآن کے نور سے۔۔۔۔پاکستان بنانا ہے۔۔۔۔انشاءاللہ بنانا ہے۔

یاد رکھو!

جہاں قرآن نہیں۔۔۔۔جہاں نبی کی سنت نہیں۔۔۔۔جہاں اسلام کا نور نہیں۔۔۔۔وہ پاکستان نہیں۔۔۔۔وہ امراء کا عشرت کدہ ہے، وہ جاگیرداروں کی سیرگاہ ہے۔۔۔۔وہ سرمایہ داروں کی شکارگاہ ہے۔۔۔۔وہ افسروں کا قحبہ خانہ ہے، وہ سیاستدانوں کا اکھاڑہ ہے۔۔۔۔وہ سپہ سالاروں کی جاگیر ہے۔۔۔۔وہ سبزوں کا ملعب ہے سرخوں کا بھٹ اور آدابِ غلامی سکھانے کی تربیت گاہ ہے۔

مسلم جوانو! میرے جگر کے ٹکڑو!

نہ مانو! قطعاً نہ مانو!

افسر شاہی کو۔۔۔۔بادشاہی کو۔۔۔۔شہنشاہی۔۔۔۔وزیر شاہی کو۔۔۔۔نفس شاہی کو۔۔۔شیطان شاہی کو۔۔۔درہم شاہی کو۔۔۔ریال شاہی کو۔۔۔اور دولت شاہی کو۔۔۔۔

اور اب ہو جاؤ آمادۂ مخالفت:

زمانے کے ہر فرعون کے خلاف۔۔۔۔زمانے کے ہر نمرود کے خلاف۔۔۔۔زمانے کے ہر یزید کے خلاف۔۔۔۔

نہ مانو! غیر اسلامی اور باطل قوانین کو!

خدارا نہ مانو۔۔۔۔تمہیں تمہاری عاقبت کا واسطہ۔۔۔۔نہ مانو! طاغوت کو، سوشلزم اور کمیونزم کو! فتنہ کو اور

فساد کو۔۔۔۔ظلم اور استحصال کو !ماننے کے لیے صرف اللہ ہے۔رسول ﷺ ہے۔۔۔۔قرآن ہے اور سنت نبی ﷺ ہے۔ہمیں تمہارا انتظار ہے،آؤ تا دمِ آخر جہاد کریں۔

اسلام کے غلبہ کے لیے۔۔۔۔خدا کی رضا کے لیے۔۔۔۔اور مصطفیٰ ﷺ کی خوشنودی کی خاطر، اگر تم ہمارے ساتھی ہو اور یقیناً ہو تو ایمان مضبوط کرو۔۔۔۔یقین محکم رکھو۔۔۔۔نمازیں قائم کرو۔احکامِ خدا بجالاؤ (نظام عبادت کو سمجھنے کے لیے سید ریاض حسین شاہ کی تصنیف ”سراغ زندگی“ کا مطالعہ مفید رہے گا) مال و جان کی قربانی دو، عفت کو داغدار مت بناؤ۔۔۔۔سنجیدگی اختیار کرو، بڑوں کی عزت ان کا حق سمجھو، چھوٹوں پر شفقت لازم رکھو۔۔۔۔عصری علوم میں مہارت پیدا کرو، قرآن کی تلاوت کرتے رہو۔۔۔۔محبت کا نور پھیلاتے رہو۔۔۔۔حسد، بغض اور چغلی سے بچو۔۔۔۔ماں باپ کا ادب کرو۔۔۔۔لباس ہمیشہ سادہ پہنو۔۔۔۔علم سیکھتے رہو۔خیانت سے باز رہو۔۔۔۔وعدوں کا پاس رکھو۔۔۔۔وقت کی پابندی کرو۔۔۔۔اللہ کے محبوب بندوں کے مزارات پر حاضری دیتے رہو۔۔۔۔جھوٹ کسی بھی حالت میں نہ بولو۔۔۔۔ساتھیوں کی عیب پوشی کرو۔۔۔۔رشتہ داروں کے حقوق ادا کرو۔۔۔۔نیکی کا حکم دیتے رہو۔۔۔۔برائی سے منع کرتے رہو۔۔۔۔بے شک اللہ تم سے راضی ہوگا اور رسول ﷺ کی شفاعت تمہیں نصیب ہوگی۔اے تاریکیوں میں روشنیوں کے انقلاب لانے والی ذات! راہ حق میں وہ ساتھی نصیب فرما جن کی معیت سے تکمیلِ مقصد کی منزل آسان ہو اور زندگی کا سفر سکون سے گزرے اور جب ہم دنیا سے اٹھیں تو ہمارے نیک وارث، مقاصد کی شمع کو روشن رکھیں۔

آمین۔بجاہ سید المرسلین والصلوٰۃ والسلام علی رضوانهم المرسلین
خصوصاً علی خاتم النبیّن

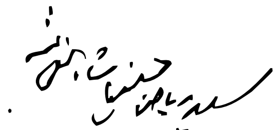

سید ریاض حسین شاہ

# حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید وفرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز ومعانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورۃ النساء کی آیت نمبر 37 تا 44 پر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ وَ یَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ وَ یَکۡتُمُوۡنَ
مَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا
مُّہِیۡنًا ۚ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا
یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ لَا بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ وَ مَنۡ یَّکُنِ
الشَّیۡطٰنُ لَہٗ قَرِیۡنًا فَسَآءَ قَرِیۡنًا ﴿۳۸﴾ وَ مَاذَا عَلَیۡہِمۡ لَوۡ
اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقَہُمُ اللّٰہُ ؕ
وَ کَانَ اللّٰہُ بِہِمۡ عَلِیۡمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظۡلِمُ مِثۡقَالَ
ذَرَّۃٍ ۚ وَ اِنۡ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفۡہَا وَ یُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡہُ
اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۴۰﴾ فَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍۭ بِشَہِیۡدٍ وَّ
جِئۡنَا بِکَ عَلٰی ہٰۤؤُلَآءِ شَہِیۡدًا ﴿ؕ۴۱﴾ یَوۡمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیۡنَ
کَفَرُوۡا وَ عَصَوُا الرَّسُوۡلَ لَوۡ تُسَوّٰی بِہِمُ الۡاَرۡضُ ؕ وَ لَا
یَکۡتُمُوۡنَ اللّٰہَ حَدِیۡثًا ﴿۴۲﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا
الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡتُمۡ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ وَ
لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیۡ سَبِیۡلٍ حَتّٰی تَغۡتَسِلُوۡا ؕ وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ
مَّرۡضٰۤی اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ
لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا
فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡہِکُمۡ وَ اَیۡدِیۡکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا
غَفُوۡرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ
یَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَۃَ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِیۡلَ ﴿۴۴﴾

''وہ لوگ جو بخل کریں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیں اور چھپائیں اسے جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اور ہم نے کفر کی حد تک ناشکری کرنے والوں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ جو اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھلاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، حال دیکھیے اس شخص کا جس کا ساتھی شیطان ہو جائے تو وہ کتنا بُرا ساتھی ہوتا ہے اور کوئی نقصان نہ ہوتا اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور اللہ نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے اور اللہ ان کا خوب علم رکھنے والا ہے اور اللہ چھوٹے سے ذرّے کے وزن برابر بھی کسی پر ظلم نہیں فرماتا اور نیکی ہو تو وہ اسے دونا فرماتا ہے اور خاص اپنی جناب سے بے بہا اجر عطا فرما دیتا ہے، پھر کیسی ہوگی جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہی دینے والا لائیں گے اور محبوب آپ کو ان سب پر شہادت گزارنے والا بنا کر لائیں گے، اس دن کفر کرنے والے اور رسول کی نافرمانی کرنے والے تمنا کریں گے اے کاش! زمین ان پر ہموار کر دی جائے لیکن وہ کوئی بھی بات اللہ سے چھپا نہیں سکیں گے، اے ایمان والو! نماز سے قریب تک نہ جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو تم کہتے ہو اور نہ ہی جنابت کی حالت میں جب تک کہ تم غسل نہ کر لو بجز اس کے کہ راہ گزرنے والے ہو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پاخانہ پھر کے آئے یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لو، سو اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح (مسنون) کرو بے شک اللہ بہت ہی معاف کرنے والا بے حد بخشش فرمانے والا ہے، کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں لیا جنہیں کتاب سے ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی مول لے رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم سب راہِ راست سے ہٹ جاؤ''۔

الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ وَ یَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ وَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنۡ
فَضۡلِہٖ ؕ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ۚ﴿۳۷﴾

''وہ لوگ جو بخل کریں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیں اور چھپائیں اسے جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اور ہم نے کفر کی حد تک ناشکری کرنے والوں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

## زندگی میں گندی ترین حرکت

معاشی اور معاشرتی اخلاق کی ہر جہت سورۃ النساء قاریٔ قرآن کے سامنے لا رہی ہے۔ اس ضمن میں ایک پورا دستور ہے جو جنتی درختوں کی طرح روحانی میووں سے لدا ہوا ہے۔ یہ آیت تین مذموم حرکتوں کی نشاندہی کرتی ہے کہ تکبر اور فخر کی طرح یہ بھی ایسی گندی حرکتیں ہیں جو زندگی کے برتن کو گندہ کر دیتی ہیں:

1۔ بخل برتنا
2۔ بخل کا لوگوں کو حکم دینا
3۔ اور اللہ نے جو فضل سے نوازا اسے چھپانا

## بخل برتنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں (128):

سخی اللہ کے قریب ہے

جنت سے قریب ہے
اور لوگوں سے بھی قریب ہے
جبکہ دوزخ سے وہ دور ہے
اور بخیل اللہ سے دور ہے
جنت سے دور ہے
اور لوگوں
سے بھی دور ہے
جبکہ آگ سے وہ
قریب ہے
اور جاہل سخی اللہ کو
پسند ہے بنسبت بخیل عبادت گزار کے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا(129):
’’دھوکا باز، بخیل اور احسان جتلانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا‘‘۔

ایک حدیث میں واضح کیا گیا کہ دو خصلتیں مومن میں ہرگز جمع نہیں ہوسکتیں ’’بخل اور بداخلاقی‘‘(130)۔

## بخل کا حکم دینا

بخل بذات خود ایک مذموم فعل ہوتا ہے لیکن ہوا و ہوس کے غلام جب حد سے گزر جاتے ہیں وہ دوسروں میں بھی بخل سازی کی تحریک چلا دیتے ہیں۔ مال خرچ نہ کرنا، اس میں کنجوسی برتنا، اسے سرکولیشن سے نکالنا متعدی امراض ہیں جو معاشرہ کو زنجیریں پہنا کر قیدی بنا لیتے ہیں۔ آج کا سرمایہ دارانہ معاشرہ یہی کچھ تو ہے۔

## تیسری بُری خصلت

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ معاشرتی بُری خصلتوں میں کتمان فضل بھی ایک جرم ہے۔ اللہ نے آپ کو مال دیا ہے لیکن آپ کی زندگی میں اللہ کی اس نعمت کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا۔ علم ہے یا کوئی اور وصف ان نعمتوں کو بھی ارزاں کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مسند امام احمد کی حدیث ہے(131):

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ملنے کے لیے تشریف لائے تو آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور اس کے حال سے پراگندگی ظاہر ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: ’’اس شخص کو کوئی چیز نہیں ملی جس سے یہ اپنے سر کے بال ہی درست کرلیتا‘‘۔ ایک اور شخص کو آپ نے دیکھا اس کے کپڑے میلے تھے آپ نے فرمایا: ’’اسے کوئی چیز نہ ملی کہ وہ اپنے کپڑے ہی دھو لیتا‘‘۔

نعمتیں رکھنے کے باوجود ان کا اثر اپنے اوپر ظاہر نہ ہونے دینا منشائے رسالت کے خلاف ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا(132):
’’بے شک اللہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندہ پر اللہ کی نعمت ظاہر ہو‘‘۔

وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

’’اور وہ جو اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھلاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، حال دیکھیے اس شخص کا جس کا ساتھی شیطان ہو جائے تو وہ کتنا بُرا ساتھی ہوتا ہے‘‘۔

## شانِ نزول

آیت کے شانِ نزول میں تین روایات نقل کی گئی ہیں(133):

- یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی اس لیے کہ وہ اپنا مال ریاکاری کرتے ہوئے خرچ کرتے، مقصود نام و نمود ہوتا۔
- دوسری روایت یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں اتری، وہ اپنے اموال اس لیے خرچ کرتے کہ لوگ حضور ﷺ کے بجائے ان پر اعتماد کرنے لگ جائیں۔
- تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں ہے اس لیے کہ وہ لوگ اپنا مال عداوت رسول کے لیے خرچ کرتے۔

## مفہوم تفسیری

آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہوا وہ اپنا مال لوگوں کو دکھانے اور شہرت کے حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتے۔ وہ لوگ حقیقتاً تو ہمیشہ اس فکر میں رہتے کہ زیادہ سے زیادہ مفاد کس طرح وہ حاصل کریں کہ معاشرہ میں وہ اپنا مقام تسلیم کروا سکیں، پسِ پردہ وہ شیطان سے دوستی نبھاتے۔ وہ لوگ جن کا مال ان پروگرامز میں خرچ ہو جس سے شیطانی نظام کو قوت ملے وہ پُرخلوص کیسے ہوسکتے ہیں۔ ابنائے ریاکاری کے دلوں میں کبھی بھی ایمانی قدروں کا استحکام نہیں ہوتا۔ وہ مکار کفر ہی کے یار ہوتے ہیں۔

## ’’قرین‘‘ کی تعبیر

تفسیر خازن نے لکھا ہے(134):

’’ایسا شخص جس نے کسی ایسے عمل کا ارتکاب کیا جو شیطان نے اس کے لیے آراستہ کیا تو یہ عمل بہت بُرا عمل ہے۔ وہ شخص جس کے اعمال دنیا میں شیطان کی مرضی کے مطابق ہوں قیامت کے دن شیطان ان پر مسلّط ہوگا‘‘۔

’’قرین‘‘ فعیل کے وزن پر ہے جو مفاعل کے معنیٰ میں استعمال ہو رہا ہے یعنی ’’قرین‘‘ بمعنیٰ مقارن کے ہے جیسے جلیس مجالس کے مفہوم میں استعمال ہو جاتا ہے۔ شیطان دنیا میں ایسے جُڑ کے رہتا ہے جیسے لنگوٹیا یار ہو، وہ ملنے نہیں دیتا۔ اچھی سوچ سوچنے کی فرصت نہیں دیتا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے(135):
’’انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی قائم کر رہا ہے‘‘۔

وَ مَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

’’اور کوئی نقصان نہ ہوتا اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور اللہ نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے اور اللہ ان کا خوب علم رکھنے والا ہے‘‘۔

آیت میں ’’ما‘‘ استفہام انکاری کے لیے ہے یعنی کہا یہ جا رہا ہے کہ ان لوگوں کا کیا نقصان ہو جاتا اگر یہ ایمان لے آتے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آیت میں ’’ذا، الذی‘‘ کے معنوں میں استعمال ہو رہا ہے یعنی ان پر وہ کون سی چیز یا آفت ٹوٹ جاتی اگر یہ ایمان لے آتے اور مال خرچ کرتے۔

اس سے پہلے جہاں ریا کاری والے معمولات میں مال خرچ کرنے کا ذکر تھا وہاں اموال کی نسبت مال خرچ کرنے والوں کی طرف کی گئی ہے اور یہاں جب ایمان اور انفاق کا ذکر کیا گیا ہے تو نسبت اللہ کی دی ہوئی روزی کی طرف کی گئی ہے۔ دکھلاوے کے لیے مال خرچ کرنے والے چونکہ اموال کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ جسے انہوں نے اپنی مہارت یا چالوں سے کمایا ہے لیکن اللہ کی مرضی میں مال لگانے والے چونکہ سب کچھ اللہ کا سمجھتے ہیں اس لیے وہ حلال وحرام کی تمیز بھی کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ کا دیا ہوا مال اس طرف فہم کو لے جاتا ہے کہ اللہ کے نام پر پاکیزہ مال دیا جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ دکھلاوا صرف مال خرچ کرنے سے ہوسکتا ہے۔ ایسے لوگ روحانی مدرکات سے محروم ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ والے اللہ کی دی ہوئی تمام نعمتوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَ یُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾

''اور اللہ چھوٹے سے ذرّے کے وزن برابر بھی کسی پر ظلم نہیں فرماتا اور نیکی ہو تو وہ اسے دُونا فرماتا ہے اور خاص اپنی جناب سے بے بہا اجر عطا فرمادیتا ہے''۔

اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ اسماعیل حقی نے روح البیان میں لکھا وہ مزیدار ہے لیکن ان کے افادات کی خوشبو سونگھنے سے پہلے رازی کا معرکہ ملاحظہ ہو، آپ رقم فرماتے ہیں:

''ذرہ'' چھوٹی سرخ رنگ کی چیونٹی کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ اپنے ہاتھ میں مٹی لی پھر ہاتھ پر پھونک ماری جس سے خاک پراگندہ ہوکر اڑی، آپ فرمانے لگے: اس اڑنے والی غبار کا ہر حصہ ''ذرہ'' ہے۔ فضا میں معلق اجزا جو تاریک جگہوں کے اندر سورج کی روشنی میں سوراخوں اور روشن دانوں سے ظاہر ہوتے ہیں انہیں ذرات ہی کہتے ہیں(136)۔

''مِثْقَالَ'' مفعال کے وزن پر ہے۔ یہ ثقل سے لیا گیا ہے اس کا معنیٰ وزن اور بھاری پن کا ہے۔ اس طرح ''مِثْقَالَ ذَرَّةٍ'' سے مراد ''چھوٹے سے چھوٹا محسوس ذرہ جسے تولا جاسکے'' ہے۔ آیت مذکورہ کا عمود ملاحظہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''اللہ تعالیٰ ذرے کے وزن برابر بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی طرف سے کئی گنا بڑھا کر اجر عظیم عطا فرماتا ہے''۔ اصل میں بخیلوں، کنجوسوں، تنگ ذہنی کا شکار لوگوں کو سمجھایا جا رہا ہے تمہاری سزائیں تمہارے کرتوتوں کا نتیجہ ہیں اللہ تو ذرہ برابر کسی پر ظلم نہیں کرتا، اگر عمل میں جان اور حسن ہو تو وہ اپنی طرف سے زیادہ کرکے واپس اجر عظیم کی صورت میں عطا فرماتا ہے(137)۔

''لدن، عند'' کے معنوں میں آتا ہے لیکن دونوں میں تھوڑا سا فرق بھی ہے۔ ''عند'' میں عموم ہے، جب کسی کا مال اس کے پاس موجود ہو تو وہ کہہ سکتا ہے ''عندی مال'' اور یہ بھی کہ اس کا مال اگر تھوڑا اس سے دور ہو تو بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ ''عندی مال'' اس لیے کہ اس میں عموم ہے لیکن ''لدن'' تخصیص کے لیے آتا ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں کہا جاسکتا ہے جب مال قبضے میں ہو، پاس ہو اور نیت کے ساتھ دیا جا سکے۔ اب سوچ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم کو خاص اپنی طرف منسوب فرمایا، اپنی محبت کی طرف منسوب فرمایا، اپنی عطا کی طرف منسوب فرمایا، اپنی شان کی طرف منسوب فرمایا اور اپنی طرف سے فرمایا۔ یہ تمام نکات ''عند'' اور ''لدن'' کے فرق میں سمجھے جاسکتے ہیں(138)۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے(139):

''اللہ تعالیٰ کسی مومن پر ظلم نہیں فرماتا مومن کو اس کی نیکی کا ثمرہ دنیا میں عطا کرتا ہے اور آخرت میں وہ جزا اور ثواب دے گا۔ اس کے برعکس کافر بھلائی کا بدلہ دنیا میں طعام کی صورت میں کھالیتا ہے لیکن آخرت میں اس کا کوئی بدلہ نہیں ہوتا''۔

علامہ فخرالدین رازی لکھتے ہیں(140):

''یہاں اس آیت کی تفسیر میں ایک نکتہ میرے دل میں کھٹکا ہے، اصل علم تو اللہ کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو جس کرم اور برکت سے نوازے گا اسے لفظوں میں اتارنا مشکل ہے۔ آیت میں دو چیزیں بیان ہوئی ہیں: ایک اجر کا کئی گنا بڑھا دینا اور دوسرا اپنی طرف سے اجر عظیم عطا کرنا۔ یہ دونوں الگ الگ عطائیں ہیں۔ کئی گنا بڑھنے والا ثواب تو جنت میں دیا جائے گا اور اجر عظیم سے مراد وہ لذتیں ہیں جو ربّ تعالیٰ کی خصوصی عطا کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور یہ وہ لذتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کے جلووں میں مستغرق ہونے سے ملتی ہیں۔ وہ نور، صفائی، خوشبو اور روشنی جو اللہ نے ہر نفس میں اپنے کرم سے رکھی ہے وہ اس آیت میں اجر عظیم کا تحفہ قرار دی جارہی ہے''۔

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں(141):

''اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا وصف عظمت سے منسوب کیا ہے اس کی مقدار معلوم نہیں ہوسکتی اس لیے کہ دنیا اور مافیہا کی نعمتوں کو اللہ نے قلیل کہا ہے لیکن اللہ نے اپنے فضل اور مومن کے اجر کو عظیم کہا ہے۔ قرآن میں اللہ نے عذاب کو بھی عظیم کہا ہے اس کا مفہوم بھی یہی ہے اس لیے کہ اس کی مقدار کا علم بھی نہیں ہوسکتا''۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے(142):

''معرفت الٰہی کی حلاوت جنت الفردوس سے اعلیٰ ہے اور اعلیٰ علیین سے بھی اعلیٰ ہے، اگر میرے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں اور مجھے دنیا اور آخرت کی ہر نعمت دے دی جائے تو یہ سب کچھ اس سے پھر بھی کم ہوگا کہ مجھے بوقت سحر محبوب کے لیے اٹھنا نصیب ہوجائے اور میرا وصل اور قرب بڑھ جائے''۔

واللہ اعلم

فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا ﴿۴۱﴾

''پھر کیسی ہوگی جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہی دینے والا لائیں گے اور محبوب آپ کو ان سب پر شہادت گزارنے والا بنا کر لائیں گے''۔

**آیت کا تعبیراتی آہنگ**

علامہ قرطبی لکھتے ہیں(143):

رسول اکرم ﷺ قبیلہ بنوظفر میں جلوہ فروز ہوئے اور ایک پہاڑی چٹان پر تشریف فرما ہوگئے۔ آپ کے ساتھ اس وقت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل اور دوسرے چند صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی موجود تھے۔ آپ ﷺ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ

کوحکم دیا کہ مجھ پر قرآن پڑھو۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

یا سیدی یا رسول اللہ ﷺ

میں قرآن پڑھوں؟ جبکہ قرآن آپ کے دل پر نازل ہوا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی سے قرآن سنوں‘‘۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سورۃ النساء پڑھی، جب ’’فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا‘‘ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

’’بس اب تمہیں کافی ہے‘‘۔

میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

علماء نے لکھا کہ آپ ﷺ کا رونا اس ہولناکی اور شدت کی وجہ سے تھا جس کا بیان اس آیت میں ہے، اس لیے کہ انبیاء کو اپنی اپنی اُمتوں پر تصدیق وتکذیب کے لیے بطور گواہ لایا جائے گا اور حضور ﷺ کو بھی بطور گواہ اٹھایا جائے گا۔

## صاوی کی منظر کشی

تفسیر صاوی کی منظر کشی ملاحظہ ہو (144):

’’میدان محشر میں جب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے ہر قوم کے نبی بھی ساتھ ہوں گے اللہ تعالیٰ پہلی اُمتوں سے پوچھے گا کیا تمہیں رسولوں نے تبلیغ نہیں کی تھی؟ امتیں انکار کردیں گی ہمیں کوئی تبلیغ نہیں کی گئی تھی۔ رسول عرض کریں گے: اے ہمارے ربّ! ہم نے جو تو نے ہمیں دیا تھا، ان تک پہنچا دیا تھا۔ اللہ رسولوں سے پوچھے گا تمہارا کوئی گواہ ہے؟ وہ کہیں گے ہمارے گواہ حضرت محمد ﷺ اوران کی اُمت والے ہیں‘‘۔

سیاق کلام سے جو چیز سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے کہا گیا تھا کہ اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں فرمائے گا تو زیر تفسیر آیت میں قیام عدالت کا اہتمام بیان کیا جارہا ہے کہ ثبوت جرم کے لیے گواہیاں بھی گزریں گی اور گواہیاں کمزور نہیں ہوں گی، انبیاؑ اوران کے نیک دل غلام گواہیاں دیں گے، خصوصاً جب حضرت محمد ﷺ کی گواہی گزرے گی منظر کیسا ہوگا۔

واللہ اعلم

يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝٤٢

’’اس دن کفر کرنے والے اور رسول کی نافرمانی کرنے والے تمنا کریں گے اے کاش! زمین ان پر ہموار کردی جائے لیکن وہ کوئی بھی بات اللہ سے چھپا نہیں سکیں گے‘‘۔

قیامت کے وہ لمحات جب گواہیاں گزر جائیں گی۔ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی، حق کے اعتراف اور تسلیم کے بغیر کوئی اور راہ نہ ہوگی تو اہل کفر پشیماں ہو کر تمنا کریں گے کاش! وہ مٹی ہوتے اور زمین کا پیوند بن گئے ہوتے۔ قرآن میں سورۂ نبا کے اندر بھی کافروں کی یہ حالت بیان ہوئی ہے۔ وہ چاہیں گے کاش! وہ پراگندہ خاک اور غبار بن چکے ہوتے۔

تفسیر عیاشی کی یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ ’’تُسَوّٰی‘‘ اس طرف اشارہ کررہا ہے کہ وہ چاہیں گے کہ وہ قبروں سمیت نابود ہوکر زمین کا حصہ بن جائیں تاکہ حساب و کتاب نہ ہو (145)۔

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا

اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن اتنی ٹھوس اور محکم گواہیاں ہوں گی کہ وہ کوئی چیز چھپا نہیں سکیں گے۔ خفیف سا معنیٰ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تمنا کریں گے کاش! وہ دنیا میں حق اور حقیقت کو چھپاتے نہ ہوتے۔ اگر تسلیم اور اعتراف کی راہ لے لیتے تو آج ندامت اور رسوائی یوں نہ تباہ کررہی ہوتی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝٤٣

’’اے ایمان والو! نماز سے قریب تک نہ جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو تم کہتے ہو اور نہ ہی جنابت کی حالت میں جب تک کہ تم غسل نہ کرلو بجز اس کے کہ راہ گزرنے والے ہو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پائخانہ پھر کے آئے یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو، سو اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح (مسنون) کرو بے شک اللہ بہت ہی معاف کرنے والا بے حد بخشش فرمانے والا ہے‘‘۔

ایمانی اور اسلامی تربیت کے چند احکام ہیں جن کا جلوہ اس آیت میں نظر آرہا ہے۔ عام انسانی ضمیروں کے اندر اسلامی ضمیر کی روشنی پیدا کرنے کے لیے ایمان والوں کو مخاطب کیا جارہا ہے۔ ہر اصلاح اسی صورت میں ممکن ہوسکتی ہے جب روحوں میں ایمانی احساس متحرک ہو۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ تم نماز سے قریب بھی نہ پھٹکو جب کسی بھی قسم کے سکر اور نشہ نے تمہیں اپنی گرفت میں لیا ہوا ہو۔ نماز تو اسلامی تربیت کی آماجگاہ ہے اس میں بھی ہوش وعقل کی سلامتی نہ ہو اور بندہ جھول رہا ہو، جھٹکے کھا رہا ہو اور جاہلیت کا نظام اس پر عملی طور پر چھایا ہوا ہو، وہ تسبیح کیا کرے گا؟ اس کی تہلیل کی حیثیت کیا ہوگی؟ اسلام تو ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ کسی شخص کی عقل اور سوچ شراب کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہو۔ شرابی آدمی تو اس قابل بھی نہیں ہوتا کہ وہ بہن، بیٹی اور ماں کے ساتھ بیٹھ ہی جائے، نماز کی جلوہ گاہ میں وہ ربّ کریم کا جلیس کیسے بن سکتا ہے۔ اسلام تو ایک نظام ہے جو عقل، بصارت، سماعت اور سوچ سب کو زندگی دیتا ہے۔ کوئی ایسا منحوس نظام جس میں یہ سارے سوتے خشک ہوجائیں اس کی حوصلہ افزائی ہرگز نہیں کی جا سکتی۔

یہ بات درست ہے کہ اسلام نے جس تدریجی عمل سے جاہلیت کی گندگیاں ختم کیں اُس تہذیب کی جاندار تحریک کا یہ ایک مرحلہ تھا لیکن میرے نزدیک زور نماز کی جلوہ گاہ کی ’’حساسیت‘‘ تھی جس کے آداب سمجھائے جارہے تھے۔ انسان کے اندر اس کی فطرت سلیمہ کو درست رکھنے کا اہتمام ہورہا تھا۔

وہ لوگ جو جاہلیت کی دبیز تہوں تلے دبے ہوئے تھے ان کے لیے زندگی کی راہیں کھولنا آسان کام نہ تھا۔ ان کی سوچوں کا گھٹیا پن یہاں تک پہنچا ہوا تھا کہ وہ زبان کو جب تک شراب کی دھونی نہ دیں ان کی فصاحت کے چشمے بھی خشک رہتے تھے۔ قرآن مجید نے صاف طور پر انہیں یہ بات سنا دی کہ جنت اور دوزخ کے اپنے اپنے راستے ہیں۔ ایک کا راستہ شراب اور جوئے سے ہوکر منزل کی طرف بڑھتا ہے

اور دوسرے کی راہ ایمان اور شعور سے گزر کر مقصد روحانی تک رسائی پاتی ہے۔ نماز کب متحمل ہوسکتی ہے کہ ایک شخص کی کھوپڑی نشے میں ڈوبی ہوئی ہو اور اس کے کانوں پر سکر لیپ کیا ہو اور وہ گلستان رحمت سے گل چینی کرنے پاکیزہ لوگوں کی صفوں میں آ کھڑا ہو۔ وہ شخص کسی محفل کا سفیر نہیں ہوسکتا جب تک اسے کسی کا کہا سمجھ نہ آئے اور اپنی بات سمجھانے کے لیے زبان گرہوں سے آزاد نہ ہو، نماز اللہ کی طرف تیزی کے ساتھ جانے کا نام ہے، پاکیزہ روحوں کی سفارت ہے، اس جمالیاتی پھول کو نشے کی کیفیت میں چھوا نہیں جاسکتا۔

تیسرا تربیتی حکم یہ ہے کہ نماز کے لیے اہل ایمان جب تم نے جانا ہو تو دیکھ لو جنسیت نے تم کو لذتوں کا جھٹکا دے کر گندہ تو نہیں کیا ہوا۔ دیکھو! تمہاری معراج ہونے لگی ہے جب تک غسل نہ کرلو، صاف ستھرے نہ ہو جاؤ، طبیعت شفاف نہ ہو جائے، تم نور بستی میں حاضر ہونے کے لیے غسل نہ کرلو، نماز سے قریب بھی نہ پھٹکو۔ تم سیکس (Sex) کے بوچڑ خانے سے ابھی ابھی نکلے ہو، تمہیں خیالوں کی جنس بستی سے نکلنے کے بعد غفلت، کاہلی اور گندگی نے گھیرا ہوا ہے۔ اٹھو! غسل کرو اور پھر نماز کی طرف آؤ۔ وہاں تم نے دستور قرآن کی آیتیں پڑھنی سننی ہیں اس لیے پاکیزگی ضروری ہے۔ مسئلہ یہ بھی ہے کہ جن برتنوں میں کھانا کھایا جاتا ہے ان کو گندگی سے بچایا جاتا ہے۔ نماز ادا کرنے والے جائے نماز کی بے حرمتی نہیں کرسکتے، اس لیے وہ اپنے گندے قدم بھی وہاں نہیں رکھتے جہاں اللہ کے عاشقوں نے کھڑا ہو کر جلوۂ محبوب دیکھنا ہوتا ہے۔

چوتھا تربیتی سبق یہ تھا کہ پاکیزگی صرف جنابت ہی کی حالت کے ساتھ خاص نہیں، قضائے حاجت سے فارغ ہونے یا عورتوں سے جنسی تلمس کا تقاضا بھی یہی ہوتا ہے صاف ستھرا ہوتا کہ لذاتِ روحانیہ سے کما حقہ فیض یاب ہونے کی صلاحیت موجود ہو۔ قاریٔ قرآن کو ایک بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ آیت نے جماع کے لیے ''لمس'' اور قضائے حاجت کے لیے ''الغائط'' لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ معانی کے لیے صریح لفظ نہیں بلکہ دقیق، گہرے اور خوبصورت کنائے ہیں اس لیے کہ ''لمس'' کا معنیٰ تو صرف چھونا ہوتا ہے اور ''الغائط'' عربی میں نشیبی جگہ کو کہتے ہیں اور لوگ اکثر نشیبی جگہوں کا سہارا لے کر قضائے حاجت سے فارغ ہوتے ہیں۔ جو قوم حماموں میں بھی ادب کا دامن ترک نہ کرے وہ قوم حق رکھتی ہے کہ قیادت انسانیت کرے۔ اگر تربیت اثر کر جائے تو مسلمانوں کا ہر بچہ ادیب ہوسکتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں سید قطب نے صحیح لکھا (146):

''یہ فیض قرآن حکیم کا ہے کہ اس کی چند آیات نے بری عادات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا، نہایت نرمی، نہایت ہمدردی کے ساتھ اور نہایت ہی تدریج کے ساتھ بغیر اس کے کہ کوئی جنگ لڑی جائے، بغیر خون ریزی کے، بغیر کوئی معرکہ رچانے کے۔ کیا یہ معجزہ نہیں کہ کسی کے اشارۂ ابرو سے شراب کے مٹکے اور جام و سبو ٹوٹ گئے اور جو اثر منہ میں بچ گیا اسے بھی تھوک دیا گیا''۔

آیت میں پانی نہ ملنے کی صورت میں یا شدت بیماری کی وجہ سے تیمم کا حکم دیا گیا۔ ''تیمم'' کا لفظی معنیٰ قصد کرنا ہوتا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ پاکیزگی کے لیے پاک مٹی کا ارادہ کرلو ''صَعِيْدًا'' ہر اس چیز کو کہہ دیتے ہیں جو مٹی کی جنس سے ہو۔ تیمم کا طریقہ یہ ہے۔ نیت کے ساتھ ہاتھوں سے پاک مٹی کو تھپکی دے، پھر ہاتھوں کو جھاڑ دے اور چہرے پر مل لے، پھر ہاتھوں سے دوسری تھپکی دے، پھر ہاتھوں کو جھاڑ دے اور ان کو دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کر دے، اس میں بھی سمجھنے کے لیے بہت کچھ ہے۔ ارادہ جب روح کو چھو لے تو پھر بڑے بڑے معرکے سج جاتے ہیں۔ احکام کا وفادار شخص مٹی سے بھی وہ کام لے لیتا ہے جو پانی جیسی لطیف چیز سے لیا جاتا ہے۔ غبار ہاتھوں کی تھپکی سے سارے بدن کو صاف کرسکتی ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو، تراب کا اعجاز یہ ہے تو ابوتراب کی کرامت کیا ہوگی؟ ممکن ہے ان کے ہاتھوں کی تھپکی اور بیعت وہاں پہنچا دے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ ثمرات روحانی لذات کے گرویدہ شخص کو ہی مل سکتے ہیں۔

آیت کی تفسیر مکہ میں مکمل ہوئی بوقت سحر 6 مارچ 2018ء

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿٤٤﴾

''کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں لیا جنہیں کتاب سے ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی مول لے رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم سب راہ راست سے ہٹ جاؤ''۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر لکھتے ہیں (147):

''اللہ تعالیٰ نے یہود کی مذموم خصلتیں بیان کی ہیں کہ وہ ہمیشہ ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دیتے ہیں اور خاتم النبیین ﷺ کے علوم منزلہ سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔ مذہب میں یہ لوگ بنیا سرشت واقع ہوئے ہیں۔ ان کی دوں فطرت ملاحظہ ہو کہ ان کے پاس جو علم ہے اسے بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ الٹا ہدایت یافتہ لوگوں کو گمراہ کرنا بھی ان کے مذموم منشور میں شامل ہے''۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے آیت کا شان نزول ایسا ہی لکھا ہے، آپ لکھتے ہیں (148):

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہودیوں کا ایک بڑا سردار تھا، جس کا نام رفاعہ بن زید بن تابوت تھا۔ وہ جب رسول اللہ ﷺ سے کلام کرتا تو زبان کو بل دے کر کہتا تھا: اے محمد ﷺ ذرا اپنے کان ہماری طرف کیجیے تاکہ ہم آپ کو سمجھائیں، پھر وہ اسلام پر نکتہ چینی کرتا اور اسلام کے عیب بتاتا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی''۔

''اَلَمْ تَرَ'' میں استفہام اظہار تعجب کے لیے ہے۔ مقصود یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا رہنے سہنے میں، معاملات فہمی میں احتیاط کرے، یہود بحیثیت قوم اعتماد کے لائق لوگ نہیں۔ ''نَصِيْبًا'' پر تنوین تحقیر کی ہے۔ بدقسمت لوگوں کا حال یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی سوفکری سے اپنے سونے کو بھی مٹی بنا لیتے ہیں اور اپنے رویوں میں مذموم اور محقر ہو جاتے ہیں۔ مذہب میں تاجرانہ سوچ چونکہ رویوں اور کردار سب کو متاثر اور مجروح کر دیتی ہے، اس لیے آیت میں تربیت یہ ہے کہ سوچوں اور ارادوں میں خلوص عمل کی جہت، زاویہ اور حیثیت متعین کرنے والا سرمایہ ہوتا ہے، اس لیے اس سے محرومی سے حتی المقدور بچنا چاہیے۔ برا اور ردی مال خریدنا تو تجارت میں بھی عجیب تر ہوتا ہے اسے مذہب میں اپنا لینا خسارہ نہیں تو اور کیا ہے؟ آیت میں اصل سبق اور ''جستجو سیدھی راہ'' پر استقامت ہے اور گمراہیوں کی بجائے زندگی میں ہدایت کی ترجیحات پر قائم رہنا ہے۔

واللہ اعلم

بقیہ صفحہ 21 پر

# زینت آرائے مسندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حافظ سخی احمد خان

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رضی اللہ عنہا، قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ إِذَا رَاٰهَا قَدْ أَقْبَلَتْ رَحَّبَ بِهَا ثُمَّ قَامَ إِلَيْهَا فَقَبَّلَهَا ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِهَا فَجَاءَ بِهَا حَتّٰى يُجْلِسَهَا فِي مَكَانِهِ، وَكَانَتْ إِذَا رَأَتِ النَّبِيَّ رَحَّبَتْ بِهِ ثُمَّ قَامَتْ إِلَيْهِ فَقَبَّلَتْهُ

”اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو آتے ہوئے دیکھتے تو انہیں خوش آمدید کہتے، پھر ان کی خاطر کھڑے ہو کر آگے بڑھتے، انہیں بوسہ دیتے، ان کا ہاتھ پکڑ کر لاتے اور انہیں اپنی نشست پر بٹھا لیتے اور جب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی طرف تشریف لاتے ہوئے دیکھتیں تو خوش آمدید کہتیں پھر کھڑی ہو جاتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوسہ دیتیں“۔

(الحدیث رقم 17: أخرجه النسائي في السنن الكبرى، الرقم: 9236، 9237، وابن حبان في الصحيح، 15 / 403، الرقم: 6953، والحاكم في المستدرك، 4 / 303، الرقم: 7715، والبخاري في الأدب المفرد، 1 / 336، الرقم: 947، والشيباني في الآحاد والمثاني، 5 / 367، الرقم: 2967، والطبراني في المعجم الأوسط، 4/ 242، الرقم: 4089)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کردہ اس دل افروز منظر میں سمجھنے کی بہت سی باتیں ہیں مگر فی الحال ”حَتّٰى يُجْلِسَهَا فِي مَكَانِهِ“ اور دیگر روایات میں ”وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ“ کے جو الفاظ آئے ہیں، انہیں الفاظِ کرم و محبت سے خیراتِ توجہ مقصود ہے۔

تفہیم کے لیے درج ذیل نکات قائم کیے جا رہے ہیں:

1. عمومی ممانعت
2. خاصۂ سیدہ پاک علیہا السلام
3. فعلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمتیں
4. محبت کے لیے
5. تعظیم کے لیے
6. تعلیمِ اُمت کے لیے
7. یکجہتی کے لیے
8. اظہارِ سیادت کے لیے

## 1۔ عمومی ممانعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کی نشست پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ باوجود اصرار کے بھی کسی کے مقامِ مجلس و نشست پر نہ بیٹھتے اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

عَنْ عَقِيلِ بْنِ طَلْحَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْخَصِيبِ، يَقُولُ: كُنْتُ قَاعِدًا، فَجَاءَ ابْنُ عُمَرَ فَقَامَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ مَقْعَدِهِ، فَأَبَى ابْنُ عُمَرَ يَقْعُدَ فِيهِ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَقُولُ: مَا عَلَيْكَ أَنْ تَقْعُدَ؟ مَا عَلَيْكَ أَنْ تَقْعُدَ؟ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: مَا كُنْتُ لِأَقْعُدَ فِي مَجْلِسِكَ وَلَا مَجْلِسِ غَيْرِكَ بَعْدَمَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم »وَجَاءَ رَجُلٌ، فَقَامَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ مَجْلِسِهِ، فَأَرَادَ أَنْ يَقْعُدَ فِيهِ، فَنَهَاهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنْ ذٰلِكَ

(الكتاب: مسند أبي داود الطيالسي)

”حضرت ابو الخصیب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تشریف لے آئے۔ ایک شخص اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اُس کی نشست پر بیٹھنے سے صاف انکار کر دیا۔ اُس نے کہا کہ آپ نے بیٹھنے سے انکار کیوں کیا؟ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”میں ہرگز تمہاری نشست پر نہیں بیٹھوں گا اور نہ ہی کسی اور کی نشست پر جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے منع فرماتے ہوئے سُنا ہے“۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اصرار کے باوجود مسلسل سخت انکار اور اس پر حکمِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلیل پیش کرنا بتاتا ہے کہ کسی کے مقام و نشست پر بیٹھنا منع ہے۔

سوال اہم تو یہ ہے کہ پھر ایک بار نہیں، بار بار بھی نہیں بلکہ ہر بار اپنی لختِ جگر کا خود سے ہاتھ پکڑ کر اپنی ہی نشست پر بٹھا دینا۔ اس سنتِ پاک میں کوئی تو ایسی خاص بات ہے کہ جس میں تعلیمِ اُمت کے لیے کوئی اہم ترین پیغام دیا گیا ہے۔

## 2۔ خاصۂ سیدہ پاک علیہا السلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی کی بھی آمد پر ہر بار قیام فرمانا اور اُسے کرم و محبت سے اپنی جگہ پر بٹھانا سوائے سیدہ کائنات، مادرِ حسنین، بانوئے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، ملکۂ جنت سیدہ پاک بتول علیہا السلام ہرگز کسی اور کے لیے ثابت نہیں ہے۔ تعظیم و محبت کی خاطر ایک بار اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی چارپائی پر اپنے ساتھ بٹھایا جسے امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں بیان کیا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: جَاءَ الْعَبَّاسُ يَعُودُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي مَرَضِهِ، فَرَفَعَهُ، فَأَجْلَسَهُ فِي مَجْلِسِهِ عَلَى السَّرِيرِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: »رَفَعَكَ اللهُ يَا عَمِّ« ، فَقَالَ الْعَبَّاسُ رضی اللہ عنہ هَذَا عَلِيٌّ يَسْتَأْذِنُ. فَقَالَ: »يَدْخُلُ« فَدَخَلَ وَمَعَهُ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ، فَقَالَ الْعَبَّاسُ: هَؤُلَاءِ وَلَدُكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: »وَهُمْ وَلَدُكَ يَا عَمِّ« قَالَ: أَتُحِبُّهُمْ؟ فَقَالَ: »أَحَبَّكَ اللهُ كَمَا أُحِبُّهُمْ« (الكتاب: المعجم الأوسط)

”حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ

تیمارداری کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آقا دو جہاں ﷺ نے سر اُوپر اُٹھایا اور اُنہیں اپنے ساتھ ہی اپنی چارپائی پر ساتھ بٹھالیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دُعا دی کہ اے چچا! اللہ تعالیٰ آپ کو بُلند فرمائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! یہ آپ کے بچے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے چچا! یہ آپ کے بھی بچے ہیں۔ کیا آپ ان سے محبت کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ آپ سے ایسے ہی محبت فرمائے جیسے آپ ان سے محبت کرتے ہیں‘‘۔

ایک اور موقع پر اپنی رضاعی والدہ کے آنے پر اپنی چادرِ رحمت بچھائی اور انہیں اس چادر پر تعظیماً بٹھایا۔

الفاظ ملاحظہ ہوں:

جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ ظِئْرُهُ الَّتِي أَرْضَعَتْهُ، فَبَسَطَ لَهَا رِدَاءَهُ، ثُمَّ قَالَ: »مَرْحَبًا بِأُمِّي« ، ثُمَّ أَجْلَسَهَا عَلَى رِدَائِهِ "الكتاب: البر والصلة (عن ابن المبارك)

’’نبی پاک ﷺ کے پاس ان کی رضاعی والدہ تشریف لائیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھائی اور کہا کے اے میری ماں! خوش آمدید، پھر اُنہیں اپنی چادر پر بٹھایا‘‘۔

یہ اعزاز تو کجا از کجا ہے کہ کسی کو رسول اللہ ﷺ خود بٹھائیں

اگر کوئی اللہ کے محبوب کے سامنے ایک بار بھی زندگی میں جا کر بیٹھا ہوا اور اُس کو محفلِ رسول پاک ﷺ میں آخر میں بھی جگہ ملی ہو

تو اُمت کا اجماع ہے کہ کوئی غوث، قطب، ابدال بھی اُس کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا وہ اپنے ہاتھ سے مٹھی بھر جو بھی تقسیم کردے تو وہ کسی اور کے اُحد پہاڑ کے برابر سونا تقسیم کرنے سے بھی زیادہ فضیلت مآب ہے۔

سلام حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جنہیں حضور ﷺ نے اپنی چارپائی اپنے ساتھ ہی بٹھالیا

سلام آقائے رحمت ﷺ کی رضاعی ماں کو کہ جن کے لیے جانِ کائنات آقا ﷺ نے خود چادر بچھائی

عقل و دانش وضمیر سے فیصلہ فرمائیں کہ اُس پاک ہستی کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ جس کے لیے آقائے رحمت ﷺ خود اُٹھتے، استقبال فرماتے، شوق محبت سے تھوڑا سا آگے بڑھتے، ہاتھ پکڑتے، ہاتھوں کو چومتے، پیشانی کو بھی بوسہ دیتے، پھر ہاتھ کو چھوڑتے بھی نہیں اور ایسے ہی اپنے ساتھ لاکر اپنی ہی نشست پر اُنہیں بٹھا دیتے۔

ہے اگر کوئی اور ایسا۔۔۔۔

تو کوئی روایت لے آئیں، کسی مؤرخ ومحدث ومفسر وفقیہہ کا کوئی قول ہی پیش فرمائیں پہلے والے بھی اور بعد والے بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ سیدہ پاک علیہا السلام جیسا کوئی اور نہیں۔

## 3۔ فعلِ رسول ﷺ کی حکمتیں

رسول اللہ ﷺ کا اپنی لختِ جگر حضرت سیدہ پاک بتول علیہا السلام کو اپنی جگہ پر بٹھانا انتہائی غیر معمولی معاملہ ہے کیونکہ یہ اعزاز و شرف کسی اور کے حصہ میں نہیں آسکا، لہٰذا سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کی اس سنت کو سمجھنے کی سعی و کوشش کرتے ہیں اگرچہ عجیب ترین بات ہے کہ اسلافِ ملت نے اس کی طرف کما حقہ توجہ نہیں دی۔

## 4۔ محبت کے لیے

محبت ایک ایسا جذبہ ہے جس کی بنا پر کسی کو اپنے ساتھ اپنی ہی جگہ و نشست پر بٹھایا جاتا ہے جیسا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو مسجد میں آتے دیکھا تو جمعۃ المبارک کا خطبہ درمیان میں ہی چھوڑ کر اپنے نواسوں کو خود اُٹھایا اور اپنے سامنے بٹھالیا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن أبي بريدة رضي الله عنه يقول: كان رسول الله ﷺ يخطبنا إذ جاء الحسن والحسين عليهما السلام، عليهما قميصان أحمران يمشيان و يعثران، فنزل رسول الله ﷺ من المنبر فحملهما و وضعهما بين يديه، ثم قال: صدق الله: (إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَ أَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ) فنظرت إلي هذين الصبيين يمشيان و يعثران، فلم أصبر حتي قطعت حديثي ورفعتهما

’’حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ ہمیں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اتنے میں حسنین کریمین علیہما السلام تشریف لائے، انہوں نے سرخ رنگ کی قمیصیں پہنی ہوئی تھیں اور وہ لڑکھڑا کر چل رہے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ (انہیں دیکھ کر) منبر سے نیچے تشریف لے آئے، دونوں شہزادوں کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھالیا، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد سچ ہے: بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد آزمائش ہی ہیں۔ میں نے ان بچوں کو لڑکھڑا کر چلتے دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا حتی کہ میں نے اپنی بات کاٹ کر انہیں اٹھالیا‘‘۔

رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ کون محبوب تھا؟ آقا کریم ﷺ کس ہستی سے سب سے بڑھ کر محبت کرتے تھے؟ اس کے لیے حضرت اُمّ المؤمنین بنت صدیق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گواہی ہی کافی ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ تاجدارِ انبیاء والمرسلین ﷺ کو سب سے زیادہ محبت کس سے تھی؟ جواباً اپنا نام نہیں لیا بلکہ ارشاد فرمایا:

عَنْ جُمَيْعِ بْنِ عُمَيْرٍ التَّيْمِيِّ، قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ عَمَّتِي عَلَي عَائِشَةَ، فَسُئِلَتْ أَيُّ النَّاسِ كَانَ أَحَبَّ إِلَي رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَتْ: فَاطِمَةُ (ترمذی، حاکم، طبرانی)

’’حضرت جمیع بن عمیر التیمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی کے ہمراہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: حضور نبی اکرم ﷺ کو کون زیادہ محبوب تھا؟ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: فاطمہ سلام اللہ علیہا‘‘۔

یہی محبت ہے کہ فرمایا کہ میری بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا ہے، میرے جسم کا حصہ ہے۔ محبت کا یہ لطیف اظہار تھا رسول اللہ ﷺ اپنی شہزادی کا ہاتھ پکڑ کر خود اپنی نشست پر بٹھاتے۔

## 5۔ تعظیم کے لیے

ربّ العالمین کی طرف سے ساری کائنات کو تعظیم رسول ﷺ کا حکم دیا گیا کیونکہ وہی ہیں جو امام الانبیاء ﷺ بھی ہیں اور سید المرسلین ﷺ بھی، وہی تو ہیں جو محبوب ربّ العالمین بھی ہیں اور بعد از خدا بزرگ توئی کا تاج بھی اُنہی کے سر پر سجتا ہے، اس لیے تعظیم و توقیر اُنہی کے لیے روا ہے، مگر رحمۃ للعالمین آقا ﷺ دوسروں کی عظمت کو ظاہر فرمانے کے لیے اور اخلاق و کردار کو معراج عطا کرنے کے لیے عظمت والوں کو تعظیم دیتے۔ جیسے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ بٹھانا،

اپنی رضاعی والدہ کے لیے چادر خود بچھانا۔ بالکل اسی طرح سے آپ ﷺ اپنی شہزادی سیدۂ کونین رضی اللہ عنہا کو بھی ایسے ہی پیار سے نوازتے۔ اس دور میں تو بے ادبی کی ایسی ہوا چلی کہ دین کی خدمت کا لبادہ اوڑھ کر اور غلامیٔ رسول کا دعویٰ کر کے بھی سیدۂ کونین، بضعۃ الرسول کی گستاخیاں سرِ عام کی جارہی ہیں۔ ایسے میں ملا علی قاری کی بات ہی سُن اور سمجھ لیں جو وہ اپنی معروف ترین تصنیف ''مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح'' میں اسی حدیث پاک کی شرح میں بیان کرتے ہیں۔

(إِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ إِلَيْهَا) أَيْ: مُسْتَقْبِلًا وَمُتَوَجِّهًا

جب بھی سیدہ پاک علیہا السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آتیں تو حضور ﷺ کھڑے ہوجاتے۔ اس کا مطلب اُن کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے استقبال فرماتے

(فَأَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا) أَيْ: بَيْنَ عَيْنَيْهَا أَوْ رَأْسَهَا

پھر اُن کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے یعنی آنکھوں کے درمیان پیشانی اور سر کو چوم لیتے

وَالْأَظْهَرُ الْأَوَّلُ لِمَا رَوَاهُ ابْنُ عَدِيٍّ وَالْبَيْهَقِيُّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوعًا

اور اس کی ظاہر وجہ یہی ہے جسے امام ابن عدی اور امام بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے

مَنْ قَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْ أُمِّهِ كَانَ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ

کہ جس نے بھی اپنی ''ماں'' کی آنکھوں کے درمیان پیشانی کو چوم لیا تو اُس کا یہ بوسہ اُسکے لیے جہنم کی آگ سے آڑ اور پردہ بن جائے گا۔

فَكَأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَّلَهَا مَنْزِلَةَ أُمِّهِ تَعْظِيمًا لَهَا

گویا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی ماں جیسی تعظیم فرماتے

(وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ) أَيْ: تَكْرِيمًا لِمَا أَتَاهَا

پھر رسول اللہ ﷺ اُنہیں اپنی جگہ پر بٹھا لیتے یعنی اُسی تکریم و تعظیم کے ساتھ

وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا، قَامَتْ إِلَيْهِ، فَأَخَذَتْ بِيَدِهِ فَقَبَّلَتْهُ

اور جب بھی رسول اللہ ﷺ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ بھی تعظیماً کھڑی ہوجاتیں

أَيْ: عُضْوًا مِنْ أَعْضَائِهِ الشَّرِيفَةِ

پھر رسول اللہ ﷺ کا دستِ مُبارک پکڑ کر بوسہ لیتیں کیونکہ ہاتھ اعضائے جسمانی میں سے مقام شرف و عزت کے ہے

وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ الْيَدُ الْمُنِيفَةُ

اور رسول اللہ ﷺ کا دستِ انور میں تو رحمت و کرم کے سمندر موجزن ہیں

(وَأَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا) أَيْ: مَوْضِعِهَا الْمُهَيَّأِ لِلْكَرَامَةِ

اور پھر سیدہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کو اپنی جگہ پر بٹھا لیتیں یعنی عزت و احترام و تعظیم و تکریم والے مقام پر

ملا علی قاری علیہ الرحمہ کے الفاظ ''نَزَّلَهَا مَنْزِلَةَ أُمِّهِ تَعْظِيمًا لَهَا'' اس بات کے غمازی ہیں کہ آقا دو جہاں، سرورِ کون و مکان ﷺ اپنی صاحبزادی، اپنی نورِ نظر کو ماں جیسی تعظیم دیتے، اسی لیے اس روایت کو بھی لے کر آئے کہ جس نے اپنی ماں کی پیشانی کو چوم لیا۔ یہ بوسہ اُس کے اور جہنم کی آگ کے درمیان ایک آڑ اور پردہ بن جائے گا۔ (کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے سیدہ پاک علیہا السلام کو ''اُمِّ ابیہا'' کا لقب عطاء فرمایا ہے۔)

## 6۔ تعلیم اُمت کے لیے

نبی کریم ﷺ کا اسوۂ پاک قیامت تک انسانیت کے لیے رہبری کرتا رہے گا اسی لیے آپ ﷺ ہر اُس کام کو ظاہر کر کے کرتے جس میں اُمّت کا قیامت تک فائدہ ہو۔ حضرت سیدہ پاک علیہا السلام کی تعظیم و تکریم اور اُن سے نسبت و محبت ایک ایسا عمل ہے جو دُنیا، قبر، حشر، میزان، پُل صراط اور ہر ایک مشکل مقام پر فائدہ دینے والا ہے، اسی لیے کہ اُمّت اس معاملہ میں کسی غلط فہمی، دھوکہ اور بدعقیدگی کا شکار نہ ہو تو رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی بیٹی کو بار بار تعظیم و تکریم دے کر اپنے نام لیواؤں کو سکھایا کہ میری شہزادی اور اس کی اولاد کے بارے میں محتاط رہنا۔ ان کا ادب کرنا، ان کی تعظیم کرنا، ان کی خدمت کرنا، ان سے پیار کرنا، ان کے دُشمنوں سے دُشمنی کرنا اور ان کے دوستوں سے دوستی رکھنا، میری شہزادی کے بارے میں سوچوں کو ادب کی زنجیر میں مقید رکھنا، الفاظ و حروف ادا کرنے سے پہلے سو سو بار سوچنا

اے میرا کلمہ پڑھنے والو!

اے مجھ سے شفاعت کی اُمید رکھنے والو!

اے میری غلامی کا دَم بھرنے والو!

اے میری سُنت کا پرچار کرنے والو!

یہ بھی تو میری ہی ادائے محبت و التفات ہے کہ میں خود اپنی شہزادی کو اپنی نشست پر بٹھاتا ہوں تو تم بھی میری شہزادی کا ادب و احترام کرنا

یہ بات کوئی سمجھ پایا تو بریلی کا تاجدار امام احمد رضا خان ہی سمجھ پایا جو کہتے ہیں کہ بی بی پاک علیہا السلام کا اسمِ پاک ادب سے میری زبان پر نہیں آتا اور سیدہ پاک سلام اللہ علیہا کا اسمِ مُبارک لیتے ہوئے اللہ کی قسم میرے بدن پر رعشہ طاری ہوجاتا ہے۔

## 7۔ یکجہتی کے لیے

امام تقی الدین المقریزی ''امتاع الاسماع'' میں امام سہیلی اور امام محمد بن یوسف الشامی ''سبل الهدی و الرشاد'' میں امام ابوبکر بن داؤد بن علی کے حوالے سے عشق و محبت سے لبریز ایک تاریخی واقعہ سے خوبصورت نتیجہ نکال کر غلامانِ رسول کے نام کرتے ہیں۔

امام سبکی سے فضیلت و افضیلت سے متعلق سوال ہوا تو ارشاد فرمایا:

أن أبا لبابة حين ارتبط نفسه و حلف ألا يحله إلا رسول الله ﷺ فجاءت فاطمة رضي الله عنها تحله فأبى من أجل قسمة، فقال رسول الله ﷺ: إنما فاطمة بضعة مني فحلته

قال السهيلي: هذا حديث يدل على أن من سبها فقد كفر و أن من صلى عليها فقد صلى على أبيها رسول الله ﷺ. إمتاع الأسماع بما للنبي من الأحوال و الأموال و الحفدة و المتاع

''جب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے توبہ کے لیے خود کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ اُنہیں رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی اور نہ کھولے۔ جب توبہ قبول ہوگئی تو سیدہ پاک فاطمہ رضی اللہ عنہا اُنہیں کھولنے کے لیے تشریف لائیں تو اُنہوں نے اپنی قسم کی وجہ سے انکار کر دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے ہی بدن کا تو حصہ ہے، لہٰذا سیدہ پاک علیہا السلام نے آکر اُن کی رسیاں کھول دیں۔ امام سہیلی کہتے ہیں کہ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ جس کسی نے بھی سیدہ کائنات کو گالی دی تو اُس نے یقیناً

کفر کیا اور جس نے بھی اُن کی بارگاہ میں درود بھیجا تو تحقیق اُس نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ دُرود بھیجا''۔

نیز امام سہیلی کہتے ہیں کہ یہ دلیل نہایت محکم اور خوبصورت ہے اور دونوں ہی مقامات پر ہے کہ دونوں علماء ہی نے کہا:

**ولا أعدل ببضعة من رسول اللہ أحد**

''اور ہم مقام و رُتبہ میں کسی کو بھی رسول اللہ ﷺ کے بدن کے حصّہ کے برابر نہیں جانتے''۔

رسول اللہ ﷺ کا اپنی شہزادی کو اپنے مقام پر بٹھانا اس بات کی وضاحت تھی کہ میں اور میری بیٹی دونوں ایک ہیں، میں اس سے جُدا نہیں ہوں اور وہ مجھ سے علیحدہ نہیں ہے، اس کی خوشی میری خوشی ہے، اس کی ناراضی میری ناراضی ہے، جس نے اس کو ستایا اُس نے مجھے ستایا لہٰذا اس کے دُشمنوں سے دُشمنی رکھنا، اس کے عقیدت مندوں سے محبت و عقیدت رکھنا۔

## 8۔ اظہارِ سیادت کے لیے

حضرت یوسف علیہ السلام کی قید خانہ سے رہائی کے بعد جب بادشاہِ مصر سے ملاقات ہوئی تو تفسیر سمعانی میں ہے کہ اُس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سونے کے تخت پر بٹھایا۔ یہ اظہارِ سیادت و برتری تھا کہ جس خواب کی تعبیر بتانے میں پورا مصر ہی ناکام رہا۔ آپ نے اُس کی تعبیر سے لے کر پیش آمدہ خوفناک مسئلہ کا حل بھی پیش کر دیا۔ جب حضرت یونس علیہ السلام کی گواہی ایک لڑکے نے دی تو مصنفہ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ لڑکے کے سچ کی تصدیق ہونے کے بعد بادشاہ نے اُسے اپنی جگہ پر بٹھایا:

**فَأَخَذَ بِيَدِ الْغُلَامِ فَأَجْلَسَهُ فِي مَجْلِسِهِ، وَقَالَ: أَنْتَ أَحَقُّ بِهَذَا الْمَكَانِ مِنِّي**

''بادشاہ نے اُس لڑکے کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اپنی نشست پر بٹھا کر کہنے لگا کہ تم مجھ سے زیادہ اس مقام کے حقدار ہو''۔

دُنیائے محبت و عشق سے ایک اور حوالہ بھی حلیۃ الاولیاء سے ملاحظہ فرمائیں:

**دَخَلَتِ ابْنَةُ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَمَعَهَا مَوْلَاةٌ لَهَا تُمْسِكُ بِيَدِهَا فَقَامَ لَهَا عُمَرُ وَمَشَى إِلَيْهَا حَتَّى جَعَلَ يَدَيْهَا فِي يَدِهِ، وَيَدُهُ فِي ثِيَابِهِ، وَمَشَى بِهَا حَتَّى أَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ، وَجَلَسَ بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا تَرَكَ لَهَا حَاجَةً إِلَّا قَضَاهَا**

''حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی بیٹی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس آئی۔ اُن کی خادمہ اُن کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے، استقبال کے لیے آگے بڑھے اور اُن کا ہاتھ جو کپڑے میں تھا اُسے پکڑ کے ساتھ لے کر آئے اور اپنی نشست پر اُن کو ادب و احترام سے بٹھایا اور اُن کی ہر ضرورت کو پورا کیا''۔

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی کی اتنی تعظیم و توقیر نسبت رسول پاک ﷺ کے سبب سے، اُن کو اپنے مقام پر بٹھایا اور موجود لوگوں کو بتایا کہ سیادت تو اُنہیں کی ہے جنہیں نسبتِ رسول ﷺ سے وافر حصّہ میسر آیا۔

سلام حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو کہ جنہیں نسبتِ رسول ﷺ کا اتنا ادب و پاس تھا مگر سوال تو یہ ہے کہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کی سیادت کا عالم تو یہ ہے مگر دربارِ یزید میں خطبہ دیتی ہوئی بنتِ رسول سیدہ زینب پاک علیہا السلام ؟؟؟

بی بی پاک سیدہ زہرا پاک علیہا السلام کو اپنی نشست پر بٹھا کر رسول اللہ ﷺ نے اعلان ہی یہ کیا کہ سرداری و سیادت میری شہزادی اور ان کی اولاد کو ہی زیبا ہے۔ چاہے حسن پاک علیہ السلام منصب چھوڑ بھی دیں تو بھی دُنیا و جنت کا سردار میری بیٹی کا شہزادہ حسن پاک علیہ السلام ہی ہے، چاہے کربلا میں کنبۂ حُسین پاک علیہ السلام سارا شہید بھی ہو جائے تو سیادت و سرداری پھر بھی نہ جائے گی۔ جو مصطفیٰ کریم ﷺ کی گلی میں بستر لگا لیں وہ تختِ سکندری پر تھوکتے نہیں تو جن کو رسول اللہ ﷺ نے خود اک بار نہیں بلکہ بار بار بلکہ ہر بار ہی اپنی نشست و مقام پر بٹھایا ہو، اُن کی برابری کون کرے!!!

سیدہ بی بی پاک وہ ہیں کہ اتنا تو سب کو معلوم ہے کہ اُنہیں مخدومۂ کائنات ہونے کی سند بھی رسول اللہ ﷺ نے خود دی

اُن کی جنت میں سرداری کی خبر دینے کے لیے آسمان سے فرشتے اُترے

جن کی کنیز ہونے میں حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کی بیٹی بھی فخر کریں

جن کے استقبال کے لیے رسول اللہ ﷺ کھڑے بھی ہوتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے بھی

وہی تو ہیں کہ جن کی سیادت سب پر قائم ہے۔

امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے کہا ہے:

نور بنت نور ، زوجِ نور ، اُمِّ نور و نور
نور مطلق کی کنیز ، اللہ رے لہنا نور کا
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور ، تیرا سب گھرانہ نور کا

## بقیہ: تبصرہ و تذکرہ

### حوالاجات

(128) تفسیر مظہری: پانی پتی (129) تفسیر مظہری: پانی پتی
(130) الترغیب والترھیب: منذری (131) مشکوٰۃ المصابیح کتاب اللباس
(132) نجوم الفرقان: بھتر الوی (133) تفسیر خازن: علامہ علی الخازن
(134) تفسیر القرآن: علی الخازن (135) الترغیب والترھیب: علامہ منذری
(136) تفسیر کبیر: فخر رازی ایضاً زمخشری
(137) التحریر: ابن عاشور ایضاً رازی ایضاً وھبہ ایضاً تاج وغیرہ
(138) تفسیر کبیر: رازی ایضاً مراغی (139) معالم التنزیل: بغوی
(140) تفسیر کبیر: رازی (141) روح البیان: اسماعیل حقی
(142) روح البیان: اسماعیل حقی
(143) الجامع لاحکام القران: قرطبی ایضاً ابن عطیہ ایضاً زمخشری ایضاً رازی ایضاً آلوسی ایضاً الجزائری ایضاً ابن کثیر ایضاً ابن عاشور
(144) حاشیہ جلالین: صاوی (145) تفسیر عیاشی: محمد بن مسعود بن عیاش
(146) فی ظلال القرآن: سید قطب (147) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(148) تفسیر مظہری: پانی پتی

# حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(حصہ اوّل)

آصف بلال آصف

سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفی ﷺ کی عمر مبارک کا چالیسواں سال تھا۔۔۔۔۔ کائناتِ ارضی میں رسالتِ محمدی ﷺ کے اعلان کا وقت اب بہت قریب آ چکا تھا۔۔۔۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ فاران کی چوٹی سے نشر ہونے والے پیغام کے لیے گوش بر آواز تھا۔۔۔۔۔

مکہ میں معاشرتی برائیاں اپنے عروج پر تھیں۔۔۔۔۔
حسب نسب پر غرور۔۔۔۔۔ مال ودولت پر تکبر۔۔۔۔۔
لڑائی جھگڑے، جنگ وجدال۔۔۔۔۔ جوا بازی، شراب نوشی۔۔۔۔۔ اخلاقی بدحالی کا شکار یہ معاشرہ اپنے رہبر اپنے مربی کے انتظار میں آخری سانسیں لے رہا تھا۔۔۔۔۔ اس عجیب کیفیتوں کے شکار معاشرے میں کچھ انسان ایسے بھی تھے جو ان برائیوں سے بالاتر ہوکر اپنے کاروبار میں مصروفِ عمل تھے۔۔۔۔۔
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مکہ کے ایک دیانت دار اور فیاض تاجر تھے۔۔۔۔۔ اور انہی دنوں آپ ملک شام کی طرف تجارتی سفر پر تھے۔ ان کے ہمراہ ان کا ایک وفادار غلام بھی شریکِ سفر تھا۔۔۔۔۔
شام کی طرف سفر جاری رہا۔۔۔۔۔
راستہ طے ہوتا رہا۔۔۔۔۔
منزلیں بدلتی رہیں۔۔۔۔۔
اس سفر میں ہفتوں گزر گئے۔۔۔۔۔ عربی سوداگر کا یہ مختصر سا قافلہ اب ملک شام کی حدود کے قریب پہنچ چکا تھا۔۔۔۔۔
ایک دن ایسا ہوا کہ لق ودق صحرا سے گزرتے ہوئے شام ہوگئی۔۔۔۔۔
سیاہ بادلوں کے بکھرے ہوئے ٹکڑے تیزی کے ساتھ آفاق پر سمٹنے لگے۔۔۔۔۔
دیکھتے ہی دیکھتے کالی گھٹاؤں کے پردے میں سورج کی لرزتی ہوئی کرن ڈوب گئی۔۔۔۔۔
شام کا وقت۔۔۔۔۔ گرجتا ہوا موسم اور دامن صحرا میں یہ مختصر سا قافلہ۔۔۔۔۔
جو شائد راستہ بھٹک چکا تھا۔۔۔۔۔
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حیرانی اور پریشانی کے عالم میں اونٹنی کی مہار تھامے ہوئے تیز تیز قدموں سے چلنے لگے کہ فضا میں رات کی تاریکی جذب ہونے سے پہلے پہلے جنگل کی حدود سے باہر نکل جائیں۔۔۔۔۔ رحمتِ باری شریک حال تھی کہ جلد ہی جنگلی حدود سے باہر نکل آئے اب کھلے میدان کا اُجالا نگاہوں کے سامنے تھا۔۔۔۔۔
ویسے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ مسافر کی شام کتنی اُداس اور اندوہناک ہوتی ہے۔۔۔۔۔
بحرِ ظلمات سے نکل آنے کے بعد بھی یہ فکر دامن گیر تھی کہ رات کہاں بسر کی جائے۔۔۔۔۔
اللہ کی شان کہ تھوڑی ہی دُوری کے فاصلے پر عیسائیوں کا ایک کلیسا نظر آیا۔۔۔۔۔ آبادی کا نشان دیکھتے ہی جان میں جان آئی کہ رات گزارنے کے لیے ایک پناہ گاہ مل گئی تھی۔۔۔۔۔
قافلے کی اُونٹنی کلیسا کے سامنے پہنچ کر کھڑی ہوگئی۔۔۔۔۔
سنسان ویرانے میں اور اس طوفانی موسم میں آدمیوں کی آہٹ پا کر ایک شخص باہر نکلا اور حیرت وتجسس کے ساتھ دریافت کیا کہ آپ لوگ کون ہیں۔۔۔۔۔؟
اور کہاں سے آرہے ہیں۔۔۔۔۔؟
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم عرب کے تاجر ہیں۔۔۔۔۔ مکہ جہاں خدا کا محترم گھر ہے وہیں ہمارا مسکن ہے۔۔۔۔۔
ملک شام جاتے ہوئے غالباً راستہ بھول کر ہم ادھر آ نکلے ہیں۔ کلیسا میں ایک رات بسر کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔
اس شخص نے جواب دیا۔۔۔۔۔ یہ کلیسا عیسائی مذہب کے ایک بہت بڑے راہب کی عبادت گاہ ہے۔۔۔۔۔
جو ساری دُنیا سے اپنا رشتہ منقطع کر کے سو سال سے یہاں عبادت میں مصروف ومشغول ہے۔۔۔۔۔
صرف مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں ان کا خادم ہونے کی وجہ سے ان کے قریب جا سکتا ہوں۔۔۔۔۔
میرے سوا کسی کو ان کی خلوت گاہ میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں۔۔۔۔۔
مجھے ان کی خدمت میں رہتے ہوئے 25 سال ہوگئے ہیں۔۔۔۔۔
ایک کامل آدمی اور بڑے استاد کی طرح انہوں نے میری روحانی تربیت کی ہے۔
سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے وہ بولا کہ جہاں تک رات بسر کرنے کی اجازت کا سوال ہے تو اس کے متعلق کلیسا کی ایک نہایت مشکل شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں رات وہی بسر کر سکتا ہے کہ جس کے دامنِ زندگی پر گناہوں کی آلائش کا کوئی دھبہ نہ ہو کیونکہ آج سے چند سال پہلے ایک بدکار شرابی سرِ شام ٹہلتا ہوا کہیں سے آ گیا اور مسافر سمجھ کر اُسے یہاں رات بسر کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ صبح اُٹھ کر وہ تو چلا گیا لیکن کافی عرصے تک اُس کے کردار کی نحوست کا تاریک سایہ راہب محترم کی روحانی لطافت پر اثر انداز رہا۔۔۔۔۔
تب سے یہاں رات بسر کرنے والوں کے لیے طہارتِ قلب کی شرط رکھ دی گئی۔۔۔۔۔
جب اس کی گفتگو ختم ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے آقا یعنی راہب کے پاس کسی انسان کی اندرونی حالت جاننے کا کیا ذریعہ ہے۔۔۔۔۔؟
کیونکہ کسی بدکار کی پیشانی پر اس کی مجرمانہ زندگی کی فہرست تو کندہ نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ ایسی حالت میں کلیسا کی اس شرط سے نیکوکار مسافروں کی حق تلفی کا امکان بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔۔۔۔۔
اس لیے اس شرط کو منسوخ کر دو۔۔۔۔۔ یا پھر وہ ذریعہ بتاؤ جس کے بل بوتے پر بدکار اور نیکوکار کے

درمیان خطِ امتیاز کھینچا جاسکے۔
ہزار حسن ظن کے باوجود کلیسا کا خادم اپنے آپ کو اس معقول سوال کی زد سے نہ بچا سکا۔۔۔۔چند ہی جملوں میں ذہن کی بنیاد ہل گئی۔۔۔۔۔بے بسی کی کشمکش میں اس نے جواب دیا کہ میں تو صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جب ایک بدکار انسان کے کردار کی نحوست میرے استادِ محترم کو محسوس ہوجاتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک نیکوکار کی روحانی لطافت جانچنے کا ان کے پاس کوئی روحانی ذریعہ نہ ہو۔۔۔۔۔
اس جواب کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فوراً کہا: تو پھر جاؤ اور اپنے اُستادِ محترم سے میرے متعلق دریافت کرلو۔۔۔۔۔
اگر انہیں میرے قیام پر اعتراض نہ ہو تو میں رات کا کچھ وقت کلیسا کے ایک گوشے میں گزار لوں گا اور بیاضِ سحر نمودار ہوتے ہی یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔
تھوڑی سی پس و پیش کے بعد خادم اندر چلا گیا اور راہب کے خلوت کدے میں داخل ہوا اور پیکرِ عجز و نیاز بن کر اسے یہ اطلاع دی کہ ملک عرب کے مکہ نامی شہر سے دو مسافر بھٹکتے ہوئے یہاں آگئے ہیں اور کلیسا میں رات بسر کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔
اچھے لوگ محسوس ہوتے ہیں یا ڈاکو۔۔۔۔؟ راہب نے اپنا سر اٹھائے بغیر پوچھا۔۔۔۔؟
ظاہری وجاہت کے لحاظ سے ان میں سے ایک آقا معلوم ہوتا ہے جبکہ دوسرے کے چہرے سے ایک وفادار غلام کی علامتیں نمایاں ہیں۔
راہب نے کہا کہ مسافروں میں سے جسے تم آقا سمجھتے ہو اس کا نام بھی دریافت کرو۔
خادم حجرے سے باہر آیا اور آکر پوچھا کہ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو آپ اپنا نام بھی بتا دیں۔
''مجھے ابوبکر کہتے ہیں'' اور میرے باپ کا نام ابوقحافہ ہے۔۔۔۔حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا۔
خادم نے یہی نام آکر راہب کو بتادیے۔۔۔۔۔
نام ابوبکر سن کر راہب کی پیشانی پر کچھ لکیریں اُبھر آئیں جیسے حافظے پر زور دے کر کچھ سوچ رہا ہو۔۔۔۔پھر خادم کی طرف منہ کر کے پوچھا کہ تم نے یہ بتایا تھا ناں کہ یہ مسافر مکہ شہر سے آئے ہیں۔۔۔۔؟
جی ہاں انہوں نے یہی بتایا تھا۔۔۔۔۔خادم نے جواب دیا۔

راہب اچانک کھڑا ہوگیا اور ایک مقفل صندوق میں سے کچھ بوسیدہ کاغذات نکالے اور ان کو دیکھنے لگ گیا۔۔۔۔۔ورق الٹتے الٹتے ایک صفحے پر اس کی نظر جم گئیں اور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے یہ محسوس ہوا کہ جیسے اسے کوئی گمشدہ حقیقت کا سوراغ مل گیا ہو۔۔۔۔اس کی آنکھیں حیرت و انبساط کی ملی جلی کیفیت سے چمک اٹھیں تھیں۔۔۔۔۔جذبات کی ترنگ میں اس نے خادم کو حکم دیا کہ جاؤ اور بغیر تاخیر کے اس مسافر کو میرے خلوت کدے میں لے آؤ۔
خادم حیرانگی سے راہب کو دیکھنے لگ گیا کہ یہ تو سو سال کی روایات کے خلاف تھا کہ کوئی اجنبی خلوت کدے میں آئے۔۔۔۔؟
راہب نے بے چینی سے اسے حکم دیا کہ جاؤ اور فوراً مسافر کو اندر لے آؤ۔۔۔۔۔
خادم حیرت و پریشانی کے گہرے سائے چہرے پر سجائے باہر آیا اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو خبر دی کہ اے خوش قسمت مسافر تمہیں نہ صرف فوری اندر بلوایا گیا ہے بلکہ راہب نے اپنے خلوتِ خاص میں آپ کو بُلایا ہے۔۔۔۔تمہاری سحر طراز شخصیت نے راہب کو سراپا اشتیاق بنا دیا ہے۔۔۔۔۔وہ نہایت بے تابی سے اپنے خلوت کدہِ خاص میں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔۔۔۔۔
حضرت ابوبکر صدیق ؓ مجسمہ حیرت بنے ہوئے اس خادم کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔۔۔۔۔حجرہ میں قدم رکھتے ہی آپ کو ایک مدھم آواز سنائی دی کہ اگر تم وہی ہو جس کی طرف یہ کتاب اور میرا علم اشارہ کر رہے ہیں۔تو آج تمہارے دیدار کا شرف حاصل کر کے میں ہمیشہ اپنی خوش نصیبی پر فخر کروں گا۔۔۔۔۔راہب نے اپنے ہاتھ میں چراغ پکڑ کر آپ کا سرتاپا جائزہ لیا۔۔۔۔کبھی وہ کتاب کے اوراق دیکھتا کبھی آپ کے چہرے کی طرف دیکھتا۔۔۔۔۔کتاب اور آپ کے چہرۂ انور کا کافی دیر مطالعہ کرنے کے بعد عالمِ بے خودی میں اس نے آپ کے داہنے ہاتھ کی کلائی پر پُر تجسس نگاہ ڈالی اور پھر اس کے جذبات قابو سے باہر ہوگئے اور اس نے اپنے لرزتے ہوئے ہونٹوں سے انگلیوں کا بوسہ لیتے ہوئے کہا کہ مجھے اجازت دو کہ میں آپ کو ''امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق'' کہہ کر پکاروں۔۔۔۔۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے تحیر آمیز لہجے میں کہا کہ سمجھ نہیں آرہی کبھی رات رہنے کی اجازت پر سوال قائم کرتے ہو اور کبھی ہاتھ چومتے ہو اور اب عجیب و غریب صورتحال بیان کر رہے ہو۔۔۔۔۔مجھے جانے دو ہم کھلے آسمان کے نیچے رات گزار لیں گے۔
یہ کہہ کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ واپس لوٹے لیکن راہب نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور بولا۔۔۔۔۔
ہائے آسمانی بشارت سن کر تم آزردہ خاطر ہو گئے ہو۔۔۔۔۔
روئے زمین کی ایک محترم ہستی سے میں کبھی مذاق نہیں کرسکتا۔۔۔۔۔آج میری باتوں کا شاید آپ یقین نہ کرو لیکن سن لو کے مکے کے افق سے رسالت کا وہ خورشید انور طلوع ہونے والا ہے کہ جس کے جلو میں ایک روشن سیارے کی طرح تم قیامت تک درخشاں رہو گے۔۔۔آسمانی صحائف میں آخری نبی ﷺ کی جو نشانیاں بیان کی گئی ہیں وہ تقریباً مکمل ہو چکی ہیں۔۔۔۔۔نبی مکرم ﷺ کے ایک بہترین ساتھی کی جو نشانیاں کتاب میں موجود ہیں میں وہ سب آپ کی شخصیت کے آئینے میں پڑھ رہا ہوں۔۔۔۔۔
تمہارے دمکتے ہوئے چہرے کی تو کیا ہی بات ہے۔
تمہارے دائیں ہاتھ کا یہ تل بھی آسمانی کتاب میں موجود ہے۔۔۔۔۔بہرحال اب تم ایک غریب الوطن مسافر نہیں ہو پورا کلیسا تمہارے لیے حاضر ہے جہاں چاہو رات گزار سکتے ہو۔۔۔۔۔
حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ایک ہنگامہ خیز تحیر کے ہجوم میں کلیسا کے ایک حجرے میں رات گزاری۔۔۔۔۔
ساری رات راہب کی گفتگو بزمِ خیال میں گردش کرتی رہی اور نیند قریب تک نہ آئی۔۔۔۔۔
صبح کو جب آپ ؓ رخصت ہونے لگے تو راہب نے اشکبار آنکھوں سے آپ ؓ کو رخصت کیا اور پھر راہب کا ایک جملہ مکے کی واپسی تک آپ ؓ کے ذہن پر نقش رہا:
''تمہاری زندگی میں فیضانِ الٰہی کا جب وہ چاند طلوع ہو تو مجھے بھی اپنی فیروز بخت دعاؤں میں یاد رکھنا''۔
پھر کچھ ہفتوں کے سفر کے بعد جب آپ ؓ واپس لوٹ رہے تھے تو سرزمین مکہ میں داخل ہوتے ہوئے کھجوروں کے جھنڈ سے گزرتے ہوئے راہب کی گفتگو حافظے کی سطح پر اُبھرنے لگی۔۔۔۔۔

بقیہ: صفحہ نمبر 33 پر

# سرکار دو عالم ﷺ کا جنات کے نام نامہ مبارک اور جنات کی حقیقت

ڈاکٹر محمد اظہر نعیم

حضرت ابودجانہ انصاری (سماک بن حرشہ) رضی اللہ عنہ، سرکار دو جہاں ﷺ کے وہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ جنہیں رحمتِ عالم ﷺ کی وہ تلوار لینے کا اعزاز حاصل ہے۔جس کی تمنا بہت سے اصحاب رسول نے کی تھی۔

اوراس شمشیر پر درج ذیل معنی خیز شعر کندہ تھا۔

فِي الْجُبْنِ عَارٌ وَ فِي الْإِقْبَالِ مَكْرُمَةٌ
وَ الْمَرْءُ بِالْجُبْنِ لَا يَنْجُوْ مِنَ الْقَدْرِ

''بزدلی میں شرم ہے اور آگے بڑھ کر لڑنے میں عزت ہے اور آدمی بزدلی کر کے تقدیر سے نہیں بچ سکتا''۔

غزوہ احد کے موقعہ پر آقا حضور ﷺ نے اپنی تلوار اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا تھا: ''کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟'' ظاہر ہے ہر موجود صحابی کی دلی خواہش ہوگی کہ یہ اعزاز اس کو ملے مگر یہ اعزاز حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کے نصیب میں آیا۔ وہ اس خوش بختی پر جوش مسرت میں مست و بے خود ہو گئے اور عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! ﷺ اس تلوار کا حق کیا ہے؟'' سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ''تو اس سے کافروں کو قتل کرے یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے''۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! ﷺ میں اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں''۔ پھر وہ اپنے سر پر ایک سرخ رنگ کا رومال باندھ کر اکڑتے اور اتراتے ہوئے میدان جنگ میں نکل پڑے۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ چال اللہ کو ناپسند ہے مگر اس موقع پر کوئی حرج نہیں۔راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ دشمنوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے اور تلوار چلاتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جارہے تھے۔اس معرکہ کارزار میں نہایت پامردی سے مقابلہ کیا''۔

(زُرقانی ج ۲ ص ۲۹ و مدارج جلد ۲ ص ۱۱۶)

یہ جلیل القدر صحابی تمام غزوات میں شریک رہے اور پھر جنگ یمامہ میں حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کی پہرہ داری کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔

یہی صحابی رسول ایک دفعہ جنات کی شرانگیزیوں کی شکائت لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں اپنے بستر پر سوتا ہوں تو اپنے گھر میں چکی چلنے کی آواز جیسی آواز سنتا ہوں اور شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ جیسی بھنبھناہٹ سنتا ہوں اور بجلی کی چمک جیسی چمک دیکھتا ہوں پھر جب میں گھبرا کر اور مرعوب ہو کر سر اٹھاتا ہوں تو مجھے ایک (کالا) سایہ نظر آتا ہے جو بلند ہو کر میرے گھر کے صحن میں پھیل جاتا ہے۔پھر میں اس کی طرف مائل ہوتا ہوں اور اس کی جلد چھوتا ہوں تو اس کی جلد سیہہ (ایک جانور ہے جس کے بدن پر کانٹے ہوتے ہیں) کی جلد کی طرح معلوم ہوتی ہے۔وہ میری طرف آگ کے شعلے پھینکتا ہے۔میرا گمان ہوتا ہے کہ وہ مجھے بھی جلا دے گا اور میرے گھر کو بھی، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے ابودجانہ! تمہارے گھر میں رہنے والا برا (جن) ہے ربِّ کعبہ کی قسم! اے ابودجانہ! کیا تم جیسے کو بھی کوئی ایذا دینے والا ہے؟'' پھر فرمایا: ''تم میرے پاس دوات اور کاغذ لے آؤ''۔ جب یہ دونوں چیزیں لائی گئیں تو حضور ﷺ نے ان کو حضرت سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور فرمایا: ''اے ابوالحسن! جو میں کہتا ہوں لکھو''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''کیا لکھوں؟'' حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔لکھو:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﷺ إِلٰى مَنْ طَرَقَ الدَّارَ مِنَ الْعُمَّارِ وَالزُّوَّارِ وَالصَّالِحِيْنَ إِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ لَنَا وَلَكُمْ فِي الْحَقِّ سَعَةً فَإِنْ تَكُ عَاشِقًا مُوْلَعًا أَوْ فَاجِرًا مُقْتَحِمًا أَوْ رَاغِبًا حَقًّا أَوْ مُبْطِلًا هٰذَا كِتَابُ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَنْطِقُ عَلَيْنَا وَعَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ وَرُسُلُنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ۔ اُتْرُكُوْا صَاحِبَ كِتَابِيْ هٰذَا وَانْطَلِقُوْا إِلٰى عَبَدَةِ الْأَصْنَامِ وَإِلٰى مَنْ يَزْعَمُ أَنَّ مَعَ اللهِ إِلٰهًا اٰخَرَ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ يُغْلَبُوْنَ حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ حٰمٓ عٓسٓقٓ تَفَرَّقَ أَعْدَاءُ اللهِ وَبَلَغَتْ حُجَّةُ اللهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔یہ مکتوب حضرت محمد ﷺ کی طرف سے ہے جو اللہ ربّ العلمین کے رسول ہیں ان جنات کے نام جو انسانی آبادیوں میں داخل ہوتے ہیں، رہائش پذیر ہیں یا زائر بن کر آتے ہیں یا نیک ہیں مگر وہ جو خیر کے ساتھ رات کے وقت آتے ہیں،اے بڑے مہربان! (یادرکھو:) ہمارے لیے اور تمہارے لیے حق کے سامنے ایک گھڑی ہے پس اگر تو عاشق فریفتہ ہے یا گناہ گار ہے یا صحیح رغبت رکھنے والا ہے یا باطل (بہرصورت) یہ کتاب ہم پر اور تم پر ناطق ہے حق کے ساتھ بے شک ہم لکھواتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو اور ہمارے فرستادہ لکھتے ہیں جو تم مکر کرتے ہو۔ چھوڑ دو۔ میرے اس رقعہ کے حامل کو اور چلے جاؤ بتوں کے پجاریوں کی طرف اور ان کی

طرف جو یہ زعم رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بھی ہیں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر شئی فنا ہونے والی ہے مگر اس کی ذات (جل وعلا شانہ) اسی کا حکم چلتا ہے اور اسی کی طرف تم دوبارہ لوٹائے جاؤ گے۔ وہ مغلوب ہو جائیں، (حم) ان کی مدد نہ ہو، (حم عسق) پراگندہ ہو گئے اللہ کے دشمن اور اللہ کی حجت تمام ہو گئی۔ نہیں ہے، برائی سے پھرنے کی طاقت اور نہیں ہے نیکی کرنے کی طاقت مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے جو بلند اور عظیم ہے پس کفایت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تیرے لیے ان کی طرف سے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے''۔

(دلائل النبوۃ للبیھقی: 7/119)

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے اس خط کو لیا اور لپیٹ لیا اور اپنے گھر لے گیا اور اپنے سر کے نیچے رکھ کر رات اپنے گھر میں گزاری تو ایک چیخنے والے کی چیخ سے ہی میں بیدار ہوا جو یہ کہہ رہا تھا:

''اے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ! لات وعزیٰ کی قسم ان کلمات نے ہمیں جلا ڈالا تمہیں تمہارے نبی کا واسطہ اگر تم یہ خط مبارک یہاں سے اٹھا لو تو ہم تیرے گھر میں کبھی نہیں آئیں گے''۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نہ تمہیں ایذا دیں گے نہ تمہارے پڑوسیوں کو اور نہ اس جگہ پر جہاں یہ خط مبارک ہوگا۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے جواب دیا: مجھے میرے محبوب رسول اللہ ﷺ کے واسطہ کی قسم میں اس خط کو یہاں سے اس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا جب تک کہ میں رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت نہ حاصل کرلوں۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رات بھر جنوں کی چیخ وپکار اور رونا دھونا جاری رہا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے نماز فجر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ادا کی اور حضور ﷺ کو اس بات کی اطلاع دی جو میں نے رات میں جنوں سے سنی تھی اور جو میں نے جنوں کو جواب دیا تھا۔ حضور ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''اے ابودجانہ رضی اللہ عنہ! (وہ خط اب تم) وہاں سے اٹھا لو قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا وہ جن قیامت تک عذاب کی تکلیف پاتے رہیں گے''۔

## جنات کا قرآن وحدیث میں ذکر

قرآن کی اصطلاح میں ''جن'' ایک غیر مرئی مخلوق ہے۔ قرآن حکیم میں ایک سورۃ کا نام ''سورۃ جن'' ہے جس کی 15 آیات اور 8 دیگر سورتوں کی 12 آیات میں اس مخلوق کا ذکر موجود ہے۔ یہ ایک آگ سے پیدا کی ہوئی مخلوق ہے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: ''اس نے انسان کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا''۔

(سورہ رحمٰن آیات 14-15)

صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث کے مضمون کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور پاک، صاحب لولاک ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ کریم نے فرشتوں کو نور سے، جنات کو آگ کے شعلہ سے اور سیدنا آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم)

جنات کو مختلف شکلوں میں تبدیل ہونے کی طاقت دی گئی ہے۔ ان کی عمریں بہت دراز ہوتی ہیں اور یہ مخلوق انسان کی طرح عقل رکھنے اور روح اور جسم والی ہوتی ہے۔ ان میں سے مسلمان، کافر ہر طرح کے جنات ہوتے ہیں۔ ان میں جو ایمان والے ہوتے ہیں وہ شریعت مطہرہ کے پیروکار ہوتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں الغرض شریعت مطہرہ کے تمام احکامات کے مکلف ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں جنوں کا مقصدِ پیدائش بھی وہی بیان کیا گیا ہے جو انسانوں کا ہے۔ ''اور میں نے جن وانس کو اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی کریں''۔ (سورۃ الذریات) تخلیق کے بعد ان دونوں مخلوقات کو یونہی نہیں چھوڑا گیا بلکہ ان دونوں سے قیامت میں سوال ہوگا۔ سورۃ انعام میں فرمایا گیا ''اے جن وانس کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے اور وہ تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر نہیں سناتے تھے اور اس دن (قیامت) سے نہیں ڈراتے تھے'' سورۂ اسرائیل میں دونوں عاجز مخلوق کو یہ بھی یاد دلایا گیا: ''کہہ دو اگر جن وانس دونوں مل کر چاہیں کہ ایسا قرآن بنا لائیں تو ان کے لیے یہ ناممکن ہے''۔ دونوں اللہ کی طاقت کے سامنے لاچار اور درماندہ ہیں سورۂ رحمٰن میں اس کی یاددہانی کرائی گئی: ''اے جن وانس اگر آسمان وزمین کے حدود سے نکل کر باہر جا سکتے ہیں تو نکل جاؤ لیکن خدا کی قدرت کے بغیر تم نکل نہیں سکتے ہو''۔

جنات کے گروہ میں بدطینت اور خبیث طبقہ انسانوں کو تکلیف بھی پہنچا سکتا ہے لیکن اچھے نیک اور بزرگ قسم کے گروہ بھی ہیں۔ وہ اپنی ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ ان میں ہدایت حاصل کرنے کا عزم اور ولولہ ہوتا ہے جس کی اولین مثال حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہے جن کے تابع فرمان رہ کر وہ مشکل سے مشکل امور سرانجام دیتے رہتے تھے۔ دوسری مثال نبی اکرم ﷺ کے دور نبوت کی ہے جب جنات نے نبی اکرم ﷺ سے قرآن حکیم سنا تھا۔ اس گروہ نے جہاں آپ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا وہاں اپنی سماعت کو بھی منور کیا اور پھر اپنے قبیلے یا خاندان میں جا کر بڑی حیرت واستعجاب کے ساتھ اس واقعے کو سنایا۔ یہ واقعہ مکہ کے قریب وادی نخلہ میں پیش آیا جہاں آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جنوں کو تجسس تھا کہ آسمان پر ہم پر بہت زیادہ سختی کر دی گئی ہے اور اب ہمارا وہاں جانا تقریباً ناممکن بنا دیا گیا ہے، کوئی بہت اہم واقعہ رونما ہوا ہے جس کی بناء پر ایسا ہوا ہے۔ چنانچہ مشرق ومغرب کے مختلف اطراف میں جنوں کی ٹولیاں واقعے کا سراغ لگانے کے لیے پھیل گئیں۔ انہی میں سے ایک ٹولی نے یہ قرآن سنا اور یہ بات سمجھ لی کہ آخری نبی ﷺ کی بعثت کا یہ واقعہ ہی ہم پر آسمان کی بندش کا سبب ہے اور جنوں کی یہ ٹولی آپ ﷺ پر ایمان لے آئی اور جا کر اپنی قوم کو بھی بتلایا۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ) مکہ مکرمہ میں حرم کے قریب جہاں یہ واقعہ پیش آیا وہاں اب مسجد (مسجد جن) بنا دی گئی ہے۔ بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ جنوں کی دعوت پر ان کے ہاں تشریف بھی لے گئے اور انہیں جا کر اللہ کا پیغام سنایا اور متعدد مرتبہ جنوں کا وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ (ابن کثیر)

کتب احادیث میں بھی متعدد مقامات جنات کا ذکر موجود ہے۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات رسول

اللہ ﷺ ہم سے اچانک غائب ہوگئے، چنانچہ ہم انہیں وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کرنے لگے اور آپس میں ہم نے کہا کہ شاید آپ کو اغوا کرلیا گیا ہے یا قتل کردیا گیا ہے۔ ہماری وہ رات انتہائی پریشانی کے عالم میں گزری، صبح ہوئی تو ہم نے آپ ﷺ کو غار حرا کی جانب سے آتے ہوئے دیکھا۔ ہم نے آپ کو بتایا کہ رات آپ اچانک ہم سے غائب ہوگئے تھے، ہم نے آپ کو بہت تلاش کیا لیکن آپ کے نہ ملنے پر رات بھر پریشان رہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس جنات کا ایک نمائندہ آیا تھا، میں اس کے ساتھ چل پڑا اور جا کر انہیں قرآن مجید پڑھ کر سنایا'' پھر آپ ﷺ ہمیں لے کر اس جگہ پر گئے اور ہمیں ان کے نشانات اور ان کی آتشیں علامات دکھائیں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ جنات نے آپ سے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر ایسی ہڈی تمہاری غذا ہے جس پر بسم اللہ کو پڑھا گیا ہو اور ہر گوبر تمہارے جانوروں کا کھانا ہے''۔ صحابی رسول کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ ہم سے کہنے لگے: ''لہٰذا تم ہڈی اور گوبر سے استنجاء مت کیا کرو کیونکہ وہ تمہارے جن بھائیوں کا کھانا ہے''۔ (مسلم)

گروہ جنات کے متعلق آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کثیر تعداد میں موجود ہیں، یہاں چند ایک کا ذکر کیا گیا ہے تاہم روز روشن کی طرح بات واضح ہوجاتی ہے کہ جنات کوئی وہم وخیال نہیں ہے اور جتنے بھی سماوی دین ہیں یہودی، عیسائی، مسلمان اور ان کے ساتھ ہندو، سکھ وغیرہ سب جنات کے وجود کے قائل ہیں سوائے قلیل فلاسفہ کے جیسا کہ بعض ملحدین (جن کا کوئی مذہب نہ ہو) اس کی برعکس سمجھتے ہیں جبکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی یہ مخلوق دنیا میں کثیر تعداد میں موجود ہے۔

## جنات کی اقسام

ابو ثعلبہ خشنی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جنوں کی تین قسمیں ہیں ایک قسم کے پر ہیں اور ہواؤں میں اڑتے پھرتے ہیں اور ایک قسم سانپ اور کتے ہیں اور ایک قسم آباد ہونے والے اور کوچ کرنے والے ہیں۔ (طبرانی کبیر: (114 / 22)

جب کہ علامہ بدرالدین محمد دین احمد عینی بخاری شریف کی شہرہ آفاق شرح عمدۃ القاری میں جنات کی چند اقسام تحریر کرتے ہیں:

**(1) غول:** یہ سب سے خطرناک اور خبیث جن ہے جو کسی سے مانوس نہیں ہوتا۔ جنگلات میں رہتا ہے مختلف شکلیں بدلتا رہتا ہے اور رات کے وقت دکھائی دیتا ہے اور تنہا سفر کرنے والے مسافر کو عموماً دکھائی دیتا ہے جو اسے اپنے جیسا انسان سمجھ بیٹھتا ہے، یہ اس مسافر کو راستے سے بھٹکاتا ہے۔

**(2) سعلاۃ:** یہ بھی جنگلوں میں رہتا ہے جب کسی انسان کو دیکھتا ہے تو اس کے سامنے ناچنا شروع کردیتا ہے اور اس کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیلتا ہے۔

**(3) غدار:** یہ مصر کے اطراف اور یمن میں بھی پایا جاتا ہے اسے دیکھتے ہی انسان بے ہوش ہوکر گر جاتا ہے۔

**(4) ولھان:** یہ ویران سمندری جزیروں میں رہتا ہے اس کی شکل ایسی ہے جیسے انسان شتر مرغ پر سوار ہوتا ہے جو انسان جزیروں میں جا پڑتے ہیں انہیں کھالیتا ہے۔

**(5) مشق:** یہ انسان کے آدھے قد کے برابر ہوتا ہے، دیکھنے والے اسے بن مانس سمجھتے ہیں۔ سفر میں ظاہر ہوتا ہے۔

**(6)**۔ بعض جنات انسانوں سے مانوس ہوتے ہیں اور انہیں تکلیف نہیں پہنچاتے ہیں۔

**(7)**۔ بعض جنات کنواری لڑکیوں کو اٹھالے جاتے ہیں۔

**(8)**۔ بعض کتے کی شکل کے ہوتے ہیں۔

**(9)**۔ بعض چھپکلی کی شکل میں ہوتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج10 ص644 / جنات کی حکایات ص10)

## سائنس اور جنات

جنات نظر کیوں نہیں آتے؟ چونکہ جنات کو اُن کی خواہش کے مطابق اللہ کریم نے انسانی آنکھوں سے مخفی رکھا ہے، اس لیے ہمیں جنات ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''ابو الجنات'' کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا تو اسے ارشاد فرمایا: تم کوئی تمنا کرو؟ اس نے کہا کہ میری تمنا یہ ہے کہ ہم خود تو دیکھیں مگر ہمیں کوئی نہ دیکھے اور ہم زمین میں چھپ سکیں اور ہمارا بوڑھا بھی جوان ہوکر فوت ہوا کرے۔ تو اس کی یہ خواہش پوری کی گئی، اس لیے وہ خود تو دیکھتے ہیں لیکن دوسروں کو نظر نہیں آتے اور جب مرتے ہیں تو زمین میں غائب ہوجاتے ہیں اور ان کا بوڑھا بھی جوان ہوکر مرتا ہے۔

(تاریخ جنات، ادارہ دار المعارف پاکستان، سن 1997، ص52)

اِس کے علاوہ عُلماء کرام فرماتے ہیں کہ انسانی آنکھ کے اُوپر ایک ایسا پردہ ہمہ وقت تنا رہتا ہے جو انسانوں کی نِگاہوں سے دوسری مخلوقات کو پوشیدہ رکھتا ہے لیکن اگر یہ پردہ ہٹ جائے تو انسان جنات اُور دوسری مخلوقات کو اِنہی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔۔۔۔۔

لیکن سائنس دانوں نے بھی اس کی توجیح دی ہے۔ ان کے مطابق اس کی دو وجوہات بیان کی جاسکتی ہیں: پہلی وجہ یہ کہ انسان کا ویژن بہت محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو الیکٹرومیگنیٹیک سسٹم بنایا ہے اس کے تحت روشنی 19 اقسام کی ہے۔ جس میں سے ہم صرف ایک قسم کی روشنی دیکھ سکتے ہیں جو سات رنگوں پر مشتمل ہے۔ تفصیل میں جائے بغیر دوسری وجہ سائنس نے سٹرنگ تھیوری کے حوالے سے بیان کی ہے۔ کہتے ہیں انسان کی حرکت آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، اوپر اور نیچے ہونا ممکن ہے جسے تین ڈائمینشنز یا 3 ڈی کہتے ہیں۔ ہماری دنیا یا ہمارا عالم انہی تین ڈائمینشنز کے اندر قید ہے ہم اس سے باہر نہیں نکل سکتے، جب کہ مزید گیارہ 11 ڈائمینشنز موجود ہیں، اگر آپ پہلی ڈائمینشیں ہیں تو آپ آگے اور پیچھے ہی حرکت کر سکیں گے، اگر آپ دوسری ڈائمینشن میں داخل ہو جائیں تو آپ آگے پیچھے اور دائیں بائیں حرکت کرسکیں گے۔ تیسری ڈائمینشن میں آپ آگے پیچھے دائیں بائیں اور اوپر نیچے ہر طرف حرکت کرسکیں گے اور یہی ہماری دنیا یا جسے ہم اپنا عالم کہتے ہیں اور اگلی یعنی چوتھی میں داخل ہو جائیں تو آپ وقت میں بھی حرکت کرسکیں گے اسی طرح آگے بڑھتے جائیں تو آپ دوسرے عالم اور عالم ارواح اور کہاں کہاں تک جاسکتے ہیں، اس ضمن میں سائنس تفصیل بتاتی ہے۔ یہاں صرف بتانا مقصود تھا کہ ہم تین ڈائمینشنز تک محدود ہیں۔ (جنات کا سائنسی تجزیہ) اس لیے جنات وغیرہ کو دیکھ نہیں سکتے اور چونکہ جنات ہم انسانوں کو نظر نہیں آتے، اس لیے بعض لوگ جنات کے وجود کا انکار کردیتے ہیں لیکن یاد رکھیے کہ بطور مسلمان ہمارا جنات اور ان تمام مخلوقات پر ایمان لانا، جن کا تذکرہ قرانِ مجید میں یا اَحادیث طیبہ میں آیا ہے۔ ہمارے دین کا لازمی جزو ہے۔ (جاری ہے)

# تبرک سر پہ لو ایسے ولی کا
# کہ جنت نام ہے جس کی گلی کا

سید ریاض حسین شاہ

''شمشاد'' حسن قد وخد کا ایک حسین استعارہ ہے۔نصیر آباد راولپنڈی میں سید افتخار حسین شاہ کے گھر کسی مست محبت نے ایک اکلوتی کیاری میں شمشاد گاڑ دیا۔شاہ جی کے چھوٹے بھائی کو نجانے کیا ہوا۔دیر دیر تک مکان کی منڈیر سے اسے تاڑتا رہتا۔اس کی چھوٹی چھوٹی نرم و نازک شاخوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی پتلیاں رقص کرنے لگتیں،کبھی ایسے بھی ہوتا کہ وہ اس کی سرسبز پتیوں سے بلائیں لینے لگ جاتا۔شاید اس کی کوئی محبت ان سبز پیکروں کا روپ دھار گئی تھی۔جب رات بھیگ جاتی تو وہ اس شاہد رعنا کے ساتھ آ کھڑا ہوتا۔ہلکی ہلکی سروں میں قرآن مجید پڑھتا تو نقرئی آواز باد نسیم شب کے دوش پر سوار ہو کر شمشاد سے ٹکراتی تو وہ بھی انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتا۔

پھر ہر پتی ہر شاخ اور ہر ٹہنی سینوں میں دبے راز اگلتی۔کہانیاں سناتی ایک رات ڈھلی اور صبح مسکرائی،باد نسیم نے محبت کا گیت گایا۔چھوٹے سے صحن میں شاہ جی کے خاندان کے بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے۔خوش گپیاں،بحثیں،قہقہے،مسکراہٹیں،فضا میں تحلیل ہو رہی تھیں اور افتخار شاہ جی کا چھوٹا بھائی درخت سے پھوٹتے،جھومتے اور مسکراتے نغموں میں اداس ہو گیا۔کسی نے حزن وملال کی وجہ پوچھی اور کسی نے طعنہ کھینچا کہ کہیں اس درخت پر کوئی پری تو نہیں رہتی جسے دیکھ کر تم سہم جاتے ہو،مسئول مغموم نے کہا کہ تم جانتے نہیں یہ درخت وہ درخت ہے کہ جس کی جڑوں میں ایک ولی کامل نے درجنوں بار وضو فرمایا ہے۔

تبرک سر پہ لو ایسے ولی کا
کہ جنت نام ہے جس گلی کا

حضرت لالہ جی قدس سرہ العزیز ایک مرتبہ طویل مدت کے لیے علیل ہو گئے۔اسی چھوٹے سے گھر میں قیام فرمایا اور یہاں بارہا وضو فرمایا۔ایک مرتبہ تو ایسے ہوا۔''برکتی'' نے انہیں اٹھایا اور پھولوں کی کیاری میں انہیں وضو کروایا آپ خوشگوار موڈ میں تھے فرمایا مجھے یہیں بٹھادو۔اکھڑی ہوئی سانسیں سنبھلیں تو فرمانے لگے''خدمت نور ہے،خدمت وسیلہ ہے،خدمت عظمت ہے،خدمت معرفت کی روح ہے''۔دو شخص کبھی دنیا میں اور نہ آخرت میں رسوا ہوں گے ایک سخی اور دوسرا خدمت گزار۔حضرت نانگا صاحب فرمایا کرتے تھے''کتنی بار خدمت کرنے والے خدمت کروانے والوں سے آگے بڑھ جاتے ہیں''۔فرمانے لگے:مجھے اللہ تعالیٰ نے علم دیا تھا کہ ایک دعا ہے جو تو جسے دے گا وہ بن جائے گا۔میرا ارادہ کچھ اور تھا لیکن خدمت ایسی چیز ہے کہ سید ریاض حسین شاہ نے میری وہ دعا بھی جیت لی۔

حضرت لالہ جی قدس سرہ العزیز کے خادم اور داماد برکتی کا انتقال ہو گیا،ایک صاحب تعزیت کے لیے گئے۔حضرت نے فرمایا واپسی پر سید ابونعمان کو میری طرف بھیجنا۔سید ابونعمان حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا تو پوچھنے لگے۔''شاہ جی ایک معاملہ میں میرا علم غلط ہو گیا ہے۔برکتی کے انتقال کے بعد میں نے دیکھا کہ تدفین سے پہلے ہی اس کا حساب ختم ہو گیا۔روحانی اعتبار سے مولانا نے اس کی تصدیق کی ہے لیکن دلیل صرف وہ ٹھیک ہے جو قرآن اور حدیث سے ثابت ہو۔۔۔۔سید ابونعمان نے عرض کی حضور جلال الدین سیوطی نے''شرح الصدور'' اور ابن قیم نے کتاب''الروح'' میں بعض ایسی روایات نقل کی ہیں جن سے آپ کے موقف کی تائید ہوئی ہے۔

حضرت لالہ جی قدس سرہ العزیز فرمانے لگے''شاہ جی سنو سب کے ساتھ ایسے نہیں ہوتا بعض بعض کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے اور برکتی کو یہ مقام صرف اور صرف خدمت کی وجہ سے ملا ہے اور خدمت کی تین قسمیں ہیں:خدمت مالی،خدمت بدنی،اور خدمت روحانی سید۔ابونعمان نے پوچھا۔حضور روحانی خدمت کیسے ہوتی ہے؟حضرت نے فرمایا شیخ کی اتباع احترام اور ادب۔کوشش کرنا کہ اسے اذیت نہ پہنچے۔اس موقع پر حضرت لالہ جی نے فرمایا کہ''میں نے اپنے شیخ کی غربت کی وجہ سے مالی خدمت نہیں کی اور دور رہنے کی بنا پر بدنی خدمت بھی نہ کر سکا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ حضرت خواجہ نور محمد مجھ سے روحانی طور پر خوش تھے''۔

حضرت لالہ جی قدس سرہ العزیز دنیا سے اٹھ گئے اور احوال کی تغیر سامانیوں نے شمشاد پر بھی کلہاڑا چلا دیا۔اب تو خاک اڑتی ہے اور ہر سو یہ آوازیں بکھری پڑی ہیں۔

وہ گلیاں یاد کرتی ہیں وہ کوچے یاد کرتے ہیں
ہوائیں آ رہی ہیں جا رہی ہیں تم نہ آؤ گے

حضرت لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

**''خدمت نور ہے،خدمت وسیلہ ہے،خدمت عظمت ہے،خدمت معرفت کی روح ہے''**

# زندگی قرآن کے ساتھ

قرآن حکیم پڑھتے جایئے ہدایت کے نئے سے نئے افق روشن ہوتے جائیں گے۔ یہ صحیفۂ ہدایت بھی ہے اور نصاب زندگی بھی۔ اس کی ایک ایک آیت انسانی زندگی کو سنوارنے کے کئی ایک دروس اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ کتاب حکیم ہماری عملی زندگی کو خوبصورت بنانے کے لیے ہمیں جو تربیتی نکات عطا کرتی ہے۔ اس تحریر میں آپ وہی نکات ملاحظہ فرمائیں گے۔ زیر نظر تحریر کوئی تفسیر نہیں بلکہ شاہ جی کی صحبت سے مطالعۂ قرآن کے ذوق کی خیرات پانے والے ایک ذرّہ ناچیز کے ہفتہ وار دروسِ قرآن کا خلاصہ ہے جو قبلہ شاہ جی زید مجدہ کے زیر سایہ راولپنڈی کی ایک مسجد میں عرصہ پندرہ سال سے جاری ہیں۔ اگر کوئی جملہ اچھا لگے تو اُسے اُنہی کی نظر کا فیض سمجھا جائے اور اگر طبعیت پہ کہیں بوجھ محسوس ہو تو راقم کے لیے مغفرتِ ذنوب کی دعا کر دی جائے۔

مفتی محمد لیاقت علی نقشبندی

## سورۃ النمل آیات 13 تا 14

فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ اٰيٰتُنَا مُبۡصِرَةً قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۳﴾ وَجَحَدُوۡا بِهَا وَاسۡتَيۡقَنَتۡهَاۤ اَنۡفُسُهُمۡ ظُلۡمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۱۴﴾

’’پھر جب اُن کے پاس ہماری نشانیاں آن پہنچیں باعثِ بصیرت بن کر وہ بولے یہ تو کھلا جادو ہے اور انہوں نے سرکشی سے اُن کا انکار کر دیا حالانکہ اُن کے دلوں میں ایک یقین سا موجود تھا اُن کا انکار ظلم اور اترانے کی وجہ سے تھا سو دیکھیے فسادیوں کا انجام کیسا رہا‘‘۔

(1) عقل و دانش اور بصیرت و فراست مومن کی میراث ہے اور اس میراث کو حاصل کرنے کا مضبوط اور محکم ترین ذریعہ قرآن حکیم ہے۔ اس کی روشن آیات اندھیروں کو اجالوں، ظلمتوں کو روشنیوں، تردّدو ابہام کو وثوق و یقین اور نادانیوں، بے عقلیوں کو دانائیوں اور دانش مندیوں سے بدل دیتی ہیں۔

یہ آیات اپنے قاری کے لیے علم و حکمت کے نئے سے نئے افق روشن کر دینے والی ہیں۔

(2) اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی انسان کو اندھا بہرہ کر دیتی ہے۔ اسے حق دکھائی دیتا ہے نہ ہی سنائی دیتا ہے۔ ایسے شخص کی عقل پر اس قدر پردے ہوتے ہیں کہ انبیاء کرام روشن معجزات کے ساتھ اُن کے سامنے کھڑے انہیں خدا پرستی کی طرف بلا رہے ہوتے ہیں مگر وہ نافرمانی کی ذلتوں سے نکلنے پر کبھی آمادہ ہی نہیں ہوتے۔ آیت 12 کے آخری جملے اور آیت 13 میں ان کے انکار کا باہمی ربط ہمیں سکھاتا ہے کہ نافرمانی ترک کر کے اطاعت کا راستہ اختیار کرنے والے ہی دراصل عقلِ رسا کی نعمت سے مالا مال ہوتے ہیں۔

(3) ربِّ کائنات نے انسان کے اندر ایک ایسی صلاحیت رکھی ہوتی ہے جو حقیقت اشیاء تک رسائی کو آسان بنا دیتی ہے۔ بعض اوقات جب انسان اپنے ماحول کے معمولات کو اس صدائے دروں پر حاوی کر لیتا ہے تو اس موقع پر اس کے دل اور دماغ کے درمیان ایک عجیب کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے یہاں اسی نفسیاتی کیفیت کو بیان کیا کہ کفار و مشرکین کے دل گواہی دیتے تھے کہ قرآن کتاب برحق ہے مگر اُن کی ہٹ دھرمی اور ضد اُن کے دماغ کو دل کے تابع ہونے سے روک دیتی۔ سبق یہ ہے کہ انسان کو ماحول میں ڈھلنے اور ضد کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے حق آشکار ہو جانے کے بعد بلا تاخیر حق کی اتباع اختیار کر لینی چاہیے۔

(4) انسان کو راہِ حق سے دور رکھنے کا سبب بننے والے اعمال میں ظلم اور غرور و تکبر سرِ فہرست ہیں۔ عادل اور عاجز انسان اپنی عادلانہ طبیعت اور عاجزانہ سرشت کے سبب ہر چیز کو اس کے میرٹ پر پرکھتا ہے، نتیجتاً حق کی معرفت اس کے لیے آسان ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس ظالم و متکبر شخص چونکہ اپنی ذات کے خول سے باہر نہیں نکلتا جس کے باعث وہ حق سے منحرف ہوتا چلا جاتا ہے۔ قرآنی پیغام یہ ہے کہ ہمیں غرور و تکبر کی بجائے عاجزی اور ظلم کی بجائے عدل کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

(5) بابِ نبوت سے دوری اور مقام رسالت کا انکار عذابِ الٰہی کا باعث بننے والی خصلت ہے۔ مقامِ رسالت کو سمجھتے ہوئے رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی دہلیزِ رحمت سے جڑے رہنا ہی نجات کی واحد سبیل ہے۔

(6) ’’فَانۡظُرۡ‘‘ کے الفاظ اپنے ماضی کی تاریخ پر عبرت کی نظر رکھنے کی رغبت دلاتے ہیں۔ تاریخ پڑھنا، تاریخ کے کرداروں کو پرکھنا اور عبرت گیر دماغ سے اس کا تجزیہ کرنا انسان کے مستقبل کو سنوارنے والی راہیں روشن کر دیتا ہے۔

(7) روشنی اپنا راستہ خود بناتی ہے۔ اسے مٹھیوں میں بند نہیں کیا جا سکتا۔ ضد کے پہرے بٹھا کے اس کا راستہ روکا نہیں جا سکتا اور ہٹ دھرمی کے وزن تلے اسے دبایا نہیں جا سکتا۔ قرآن حکیم روشنی ہے۔ ’’وَاسۡتَيۡقَنَتۡهَاۤ‘‘ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ اگر یہ روشنی کافروں کے دلوں تک بھی جا پہنچی تو مومن تو اس سے زندگی کے ہر لمحے کو روشن و منور کر سکتے ہیں۔

(8) اعتدالِ حسنِ خاتمہ جب کہ فساد برے انجام کا باعث بنتا ہے اور سب سے بڑا فساد توحید کا انکار اور انبیاء کی نبوت کا منکر ہونا ہے۔

## سورۃ النمل آیات 15 تا 17

وَ لَقَدۡ اٰتَيۡنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيۡمٰنَ عِلۡمًا ۚ وَ قَالَا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّنۡ عِبَادِهِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيۡمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمۡنَا مَنۡطِقَ الطَّيۡرِ وَ اُوۡتِيۡنَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡفَضۡلُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۶﴾ وَ حُشِرَ لِسُلَيۡمٰنَ جُنُوۡدُهٗ مِنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ وَالطَّيۡرِ فَهُمۡ يُوۡزَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾

’’اور بے شک ہم نے عطا کیا داؤد اور سلیمان کو علم اور اُن دونوں نے کہا اللہ کا شکر جس نے ہمیں اپنے مومن بندوں میں سے

بہت سے لوگوں پر فضیلت بخشی اور سلمان، داؤد کے وارث بنے اور فرمایا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی زبانیں سکھادی گئی ہیں اور ہر قسم کی چیزیں ہمیں عطا کی گئی ہیں بے شک یہ اللہ کا بڑا ہی واضح اور نمایاں فضل ہے اور جمع کیے گئے سلیمان کے لیے جنوں، انسانوں اور پرندوں میں سے اُن کے لشکر تو وہ سب روک کر رکھے جاتے تھے''۔

1۔ حضرت سلیمان فرزند ہیں حضرت داود علیہما السلام کے، اگرچہ قرآنِ حکیم میں حضرت داؤد علیہما السلام کا تذکرہ بھی موجود ہے تاہم حضرت سلمان علیہما السلام کا ذکر اُن کی نسبت زیادہ کیا گیا۔ اس سے یہ بات بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ بعض اوقات صلاحیتوں اور اہلیتوں میں بیٹے کا باپ سے آگے نکل جانا نظامِ قدرت کا حصہ ہے۔ اللہ جس کو چاہے صلاحیت عطا فرمادے، البتہ بیٹا جتنا چاہے بلند مقام حاصل کرلے وہ رہتا بیٹا ہی ہے، اُسے اپنے والد کو والد سمجھتے ہوئے اس کا احترام بجالاتے رہنا چاہیے۔

2۔ یہاں حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کو عطا کی جانے والی ایک عظیم نعمت علم کا تذکرہ کیا گیا۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ آئندہ آیات میں انہیں عطا کی جانے والی زبردست حکومت کا بیان بھی آئے گا، مگر ان نعمتوں کے بیان کا آغاز نعمتِ علم سے کرنا فضیلت اور اہمیتِ علم کو پوری طرح آشکار کرتا ہے۔ خاص طور پر حکومت کے بیان سے پہلے علم کے تذکرے سے معلوم ہوا کہ نظامِ حکومت چلانے کے لیے بھی علم انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ جب کبھی حکومت جہلاء کے قبضے میں گئی وہاں سے انسانیت کی تباہی کا سفر شروع ہوا۔

3۔ علم نجات کا ایک اہم ذریعہ اور حصولِ فضیلت و سیادت کی ایک مضبوط بنیاد ہے۔ ''فَضَّلَنَا'' میں اسی حقیقت کی جانب اشارہ کیا گیا۔ دلچسپ بات یہ کہ جن و بشر وحوش وطیور اور فضا وخلا پر حکومت حاصل ہونے کے باوجود اللہ کے نبیوں نے سببِ فضیلت علم کو قرار دیا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر وہ علم سیکھنا سکھانا مقصودِ قرآنی ہے جس میں انسانی منفعت موجود ہو۔ ظاہر ہے پرندوں کی بولیاں کوئی دینی علم تو ہے نہیں، اس کے باوجود اس کا محلِ نعمت میں ذکر قرآن پڑھنے والوں کے ذوق کو مہمیز لگاتا ہے کہ وہ آگے بڑھ کر علم کے ہر دروازے پر دستک دیں اور اپنے دور کے جدید علوم کے اسلحے سے لیس ہو کر عبادت وریاضت کے ساتھ ساتھ خدمتِ انسانی کا عظیم فریضہ نبھانے کی سعی بھی ضرور کریں۔

4۔ ''فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ'' کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ اصل فضیلت ایمان والوں کا رہبر اور راہنما بننا ہے۔ اگر کسی کے متبعین میں ایمان سے محروم لوگ ہوں اور کثیر تعداد میں ہوں تو فالورز کی یہ کثرت اللہ کے ہاں فضیلت کا معیار بالکل بھی نہیں۔ یزید کی جانب ہزاروں ہوں اور امام حسین پاک رضی اللہ عنہ کی صفوں میں بہتر دکھائی دیں تب بھی عظیم رہبر حسین رضی اللہ عنہ ہی ہیں کیونکہ اصل ایمان والے انہی کی صفوں میں موجود ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی ربّ سے یہی دعا مانگی تھی کہ ''اے ربّ مجھے تقویٰ داروں کا امام بنا''۔

5۔ مذکورہ بالا جملے میں ''مِنْ'' کا کلمہ تبعیض کے لیے ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہمیں اللہ نے فضیلت تو دی ہے مگر اپنے سارے مومن بندوں پر نہیں بلکہ ان میں سے کچھ پر۔ یہ جملہ کسی عام آدمی کا نہیں انبیاء کا ہے جو بلاشبہ اپنے دور کے تمام انسانوں بلکہ ہر دور کے غیر نبی سے افضل ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود فضیلت کی نسبت کل پر نہ کرنا ان کی عاجزی پر دال ہے۔ وسعتِ علم کے بیان کے بعد یہ اسلوب سکھاتا ہے کہ اصل علم وہ ہے جو انسان کے اندر عاجزی پیدا کرے۔ تکبر کی راہ ڈال دینے والی معلومات کو کبھی بھی علم قرار نہیں دیا جاسکتا۔

6۔ الحمد للہ کلمۂ شکر ہے، اللہ کی جانب سے عطا کی جانے والی نعمتوں پر شکر ادا کرنا بندے کی بندگی کا لازمی جزو ہے خصوصاً جن بندگان خدا کو نعمتِ علم نصیب ہو جائے انہیں ہمہ دم بارگاہِ ربوبیت میں شکر کی گردن خم رکھنی چاہیے۔

7۔ ''وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ'' سے ایک لطیف و نفیس نکتہ یہ بھی سمجھ میں آیا کہ اگر داؤد وسلیمان علیہما السلام کی حکومت واختیار کا یہ عالم ہے تو جانِ کائنات اور وجہِ تخلیق کائنات رسول رحمت ﷺ کے اختیارات کا کیا عالم ہوگا!! بلاشبہ آپ مختارِ کل ہیں کیونکہ آپ خالق و مالک کل کے محبوب ہیں۔

''یعنی محبوب محبّ میں نہیں میرا تیرا''

8۔ دین اور سیاست دو الگ چیزوں کا نام نہیں اور نہ ہی دین فقط نظامِ عبادت کا نام ہے، بلکہ سیاست دین کا ایک اہم حصہ ہے۔ ظاہر ہے جب سیاست انسان کی معاشرت ومعاش سے لے کر تہذیب وتمدن ہر چیز پر گہرے نقوش مرتب کرتی ہے تو پھر الوہی اور الہامی دین زندگی کے اس اہم شعبے کو کیونکر نظر انداز کر سکتا ہے۔۔۔؟ البتہ سیاست سے مراد موجودہ دور میں مروج ایک دوسرے کی پگڑیاں اچھالنے یا ذاتی مفادات کے پیچھے بھاگنے والی سیاست نہیں بلکہ وہ سیاست ہے جس کا ربط انبیاء کرام داؤد وسلیمان اور سیدالانبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے ساتھ اور آپ کے بعد جس کا تعلق خلافت راشدہ کے ساتھ ہو۔

9۔ اللہ پاک کی طرف سے عطا کی جانے والی نعمتوں کا اظہار کرنا تکبر اور غرور کے زمرے میں نہیں آتا بشرطیکہ نیت تحدیثِ نعمت، اعترافِ نعمت اور ترغیبِ شکر کی ہو، اسی لیے حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام نے اللہ کی جانب سے عطا کردہ قوتوں کا واضح اظہار فرمایا۔

10۔ حضرت سلمان علیہ السلام کی مدد منجانب اللہ پرندوں، جنوں اور انسانوں کے ذریعے کی گئی۔ انہیں ان کا تابع فرمان بنا دیا گیا جب کہ رسولِ رحمت ﷺ کی مدد اللہ تعالیٰ نے مختلف مواقع پر فرشتوں کے ذریعے فرمائی جیسا کہ بدر کے دن فرشتوں کی جماعتیں حضرت جبریل امین کی قیادت میں اُتریں۔ مسلمانوں کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ انہیں اللہ نے اتنی عظمتوں والے رسول کے دامن سے وابستگی نصیب کی ہے۔

❁❁❁

زمانہ عدل کے ساتھ اس بات کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ مادیت قوموں کے اخلاق کو تباہ کر دیتی ہے۔ ہمدردی اور مواخات کا جنازہ نکال دیتی ہے۔ بے یقینی کی فضا پیدا کرتی ہے۔ بزدلانہ خو جنم دینے کا سبب ہوتی ہے۔ موت سے فراری کر دیتی ہے اور فسق و فجور میں ڈوبی ہوئی زندگی مکروہ و غلام بنا دیتی ہے۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس — منجانب: ڈاکٹر محمد آصف، کوٹ لکھپت، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہلیانِ راولپنڈی کے گلستان سے ایک سرو کا بوٹا اور ٹوٹ گیا۔ مفتی محمد سلیمان رضوی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ احساسات، تجربات اور مشاہدوں میں تنوع ہوتا ہے لیکن اپنے اندازے کے مطابق مفتی صاحب واقعی ایک عالم، مدرس اور شیخ الحدیث تھے۔

زمانہ بڑے غور سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

مفتی محمد سلیمان رضوی کی شخصیت پہلودار تھی اور میں سمجھتا ہوں وہ علم و ادب کے ہر میدان میں متحرک رہتے تھے۔ تنظیمی زندگی سے قدرے دور رہنے کے باوجود خود کو منظم کر رکھا تھا خود سادات کے لیے انتہائی ادب کا مزاج رکھتے تھے، البتہ دوستی میں کافی حد تک سخی تھے۔

پیر نقیب الرحمن صاحب کے زیارات اور عمروں کے قافلوں میں اساسی رکنیت رکھتے تھے۔ دینی محافل کی رونق ہوتے لیکن گفتار و سخن کی دنیا سے بچ کر رہنے کی ذہانت ان کی لائق منطق کا حصہ تھی۔ پڑھنے پڑھانے کا ایک گہرا تعلق سیفی حلقہ سے مربوط تھا لیکن حضرت مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ ان کے افکار سے لگتا تھا کہ ان کے ''آئیڈیل'' ہیں۔

اپنے ساتھ تعلق کو نہ میں نفرت کہہ سکتا ہوں اور نہ ہی محبت کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں لیکن میرے استاذِ محترم مخدوم زادہ محمد اسرار الحق حقانی علیہ الرحمہ سے ان کا رشتہ احترام کا تھا۔ جب احسن المدارس میں آپ شیخ الحدیث تھے میری بھی ملاقاتیں رہیں، مفتی محمد سلیمان رضوی دھیمے مزاج کے مضبوط عالم دین تھے۔ ابحاث میں قوی رائے رکھتے تھے لیکن ''مسلک اعتدال'' پر قائم رہنا ان کی عظمت تھی۔ محبت میں گرم جوشی نہ ہونے کے باوجود زندگی کے آخری ایام میں ایک محفل کے اندر علمائے کرام کے ایک گروپ کا فتویٰ کوچۂ سادات کی طرف بڑھنے لگا تو مفتی صاحب ایک مضبوط دیوار بن گئے۔

بس ماجرا کچھ ایسا ہی تھا:

غنی روزِ سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کے درجوں میں اضافہ فرمائے اور ان کے علمی ورثہ میں بہجت رکھے۔

آمین

**سید ریاض حسین شاہ**

# خلافت راشدہ بارے اہل سنت کا عقیدہ

حافظ محمد ارشد

خلافتِ راشدہ کاملہ کے بارے میں ہمارے معاشرے میں دو مختلف فکری رجحانات پائے جاتے ہیں۔ایک فکر کا نام رافضیت ہے اور دوسری فکر کا نام ناصبیت ہے۔رافضیوں کو آج کل شیعہ کہا جاتا ہے اور ناصبیوں کو فتنۂ خوارج سے تعبیر کیا جاتا ہے۔رافضی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گستاخ ہیں اور ناصبی اہل بیت اطہار سلام اللہ علیہم اجمعین کے گستاخ ہیں۔

رافضی پہلے تین خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انکار کرتے ہیں اور ناصبی آخری دو خلفائے راشدین یعنی حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت امام حسن علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں۔بعض ناصبی صرف حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت کو نہیں مانتے اور بعض ناصبی تیس سال کے بعد بھی خلافت راشدہ کو جاری سمجھتے ہیں۔

ہم اہل سنت ہیں، رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق ہمارا عقیدہ ہے کہ خلافت راشدہ رسول اللہ ﷺ کے بعد صرف تیس سال تک تھی۔اس کے بعد بادشاہت شروع ہوگئی تھی۔ہم پانچوں خلفائے راشدین کو برحق اور مستقل خلفاء مانتے ہیں۔پہلے تین خلفائے راشدین کا انکار کرنے والوں کو بھی گمراہ مانتے ہیں اور آخری دو خلفائے راشدین کا انکار کرنے والوں یا ایک خلیفہ راشد کی خلافت کو مشکوک بنانے والوں کو بھی گمراہ مانتے ہیں۔

**سوال:** خلافت راشدہ سے کیا مراد ہے؟

**جواب:** حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خلافة النبوة ثلاثون سنة

''نبوت کی خلافت (نبی علیہ السلام کے طریقے کے مطابق) تیس سال ہے''۔

(سنن ابوداود:4646)

اسی خلافت کو خلافت راشدہ کا دور کہا جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فارسی ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:''خلافت کہ پس از من سی سال است وبعد از سی سال خلافت نباشد بلکہ ملکی گزندہ بود کہ از نیش وی کمتری بسلامت ماند'' میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی اس کے بعد خلافت نہیں ہوگی بلکہ نقصان پہنچانے والے بادشاہ ہوں گے جن کے زہر سے بہت کم لوگ سلامت رہ سکیں گے۔

(تکمیل الایمان:صفحہ نمبر168،169)

''ملکا عضوضا'' یہ الفاظ ،عمدة القاری، مرقاة المفاتیح اور فتح الودود وغیرہ کتب میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں''

خلافت اور ملوکیت کے فرق کو واضح کرتے ہوئے ایک مقام پر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رقمطراز ہیں:

''خلافت راشدہ کا مطب یہ ہے کہ نائب رسول بن کر، وہی کام کرے جو نبی اکرم ﷺ نے کرکے دکھائے ہیں۔مثلاً دینی نظام قائم کرنا، دشمنان اسلام سے جہاد کرنا، اللہ کی قائم کردہ حدود کو نافذ کرنا، دینی علوم کی اشاعت و ترویج کرنا، ارکان اسلام (یعنی نماز، روزہ، حج، زکوة) کا سسٹم سرکاری طور پر جاری کرنا، عدالتی نظام قائم کرنا، فتوی و ارشاد احسن طریقے سے چلانا، گناہوں سے نیز اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی سے بچتے ہوئے، یہ سارے کام کرنے والا خلیفہ راشد ہے''۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''خلافت تیس سال تک ہوگی، پھر بادشاہت ہوگی''۔ پھر سفینہ بیان کرتے ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال شمار کر، عمر رضی اللہ عنہ کی دس سال، عثمان رضی اللہ عنہ کی بارہ سال اور علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چھ سال شمار کر۔

(سنن ابوداؤد:4646،مشکوة المصابیح5395)

رسول اللہ ﷺ نے مطلق خلافت علی منہاج النبوة کی مدت تیس سال بیان فرمائی۔''اشعة اللمعات'' میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ ''یہاں مراد خلافت کاملہ ہے۔جو کاملا موافق سنت ہوگی'' پھر مزید لکھتے ہیں کہ''یہ حساب تقریبی ہے اس میں کسروں کو حذف کردیا گیا ہے۔ورنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت جیسا کہ جامع الاصول میں ہے دو سال چار ماہ، خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ دس سال چھ ماہ، خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بارہ سال سے کچھ دن کم اور خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ چار سال نو ماہ ہے۔اس حساب سے خلفائے اربعہ کا دور 29 سال سات ماہ اور نو دن ہے۔تیس سال سے باقی پانچ ماہ رہ جاتے ہیں جو کہ امام المسلمین حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا دور ہے اور یہ بھی خلفاء میں شامل ہیں''۔

(اشعة اللمعات: جلد6:ص:394)

امام بیہقی نے فرمایا:

وَالْمُرَادُ بِخِلَافَةِ النُّبُوَّةِ هِيَ الْخِلَافَةُ الْكَامِلَةُ وَهِيَ مُنْحَصِرَةٌ فِي الْخَمْسَةِ

''اور خلافتِ نبوت سے مراد کامل خلافت ہے،اور یہ صرف پانچ افراد میں منحصر ہے''۔

(عون المعبود شرح سنن ابوداود)

دوسرے مقام پر شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ تیس سال کا عرصہ مکمل ہوجاتا ہے۔(اور) تحقیق یہ ہے کہ تیس سال میں سے چھ ماہ باقی تھے کہ امام المسلمین حضرت حسن بن علی بن ابو

طالب رضی اللہ عنہم خلیفہ رہے۔ آپ کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کا تیس سالہ دور ختم ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں تھے بلکہ امیر و بادشاہ تھے''۔

(تکمیل الایمان: صفحہ نمبر 175،176)

**سوال:** خلفائے راشدین کتنے ہیں؟

**جواب:** خلفائے راشدین پانچ ہیں:

1۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

2۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

3۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

4۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ

5۔ حضرت حسن مجتبی رضی اللہ عنہ

امیر المؤمنین، خلیفہ راشد چہارم حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی خلافت راشدہ کو بنو امیہ والے نہیں مانتے تھے۔ ترمذی کی روایت ہے:

''سعید کہتے ہیں کہ میں نے سفینہ رضی اللہ عنہ سے کہا: بنو امیہ یہ سمجھتے ہیں کہ خلافت ان میں ہے؟ کہا: بنو زرقاء جھوٹ اور غلط کہتے ہیں، بلکہ ان کا شمار تو بدترین بادشاہوں میں ہے''۔

(ترمذی: 2226)

اور سنن ابو داؤد کے الفاظ یہ ہیں:

''یہ لوگ (بنو امیہ) کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں تھے''۔ (سنن ابوداؤد: 4646)

آج کے دور کے بنو امیہ کے حامی (جن کو ناصبی کہا جاتا ہے) بھی حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی خلافت راشدہ کا صریح الفاظ میں انکار کرتے ہیں۔ اور وہ ناصبی لوگ جو آہستہ آہستہ اہل سنت کا اوڑھا ہوا لبادہ اتار رہے ہیں۔ وہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت راشدہ پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ یہ لوگ خائب و خاسر ہوں گے۔

اعلی حضرت فاضل بریلی علیہ الرحمہ نے فتاوی رضویہ میں ایک جگہ لکھا کہ

''وہ جو تیس برس پر ختم ہو گئی خلافت راشدہ کاملہ تھی''۔ (فتاویٰ رضویہ: جلد 14)

یعنی اعلی حضرت علیہ الرحمہ تو تیس سال تک کی خلافت کو خلافت راشدہ کاملہ سمجھتے ہیں لیکن ہمارے احباب، امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کو حرف آخر سمجھنے کے باوجود امام حسن علیہ السلام کی خلافت کو کامل سمجھنے کی بجائے کہتے ہیں کہ اس میں دو شرطیں مفقود تھیں۔

خلیفہ اعلی حضرت علامہ قاضی شمس الدین احمد جونپوری قانون شریعت میں لکھتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے خلیفہ برحق و امام مطلق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، پھر حضرت مولی علی رضی اللہ عنہ، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ، ان حضرات کی خلافت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں اس لیے کہ ان صاحبوں نے حضور کی سچی نیابت کا پورا حق ادا کیا''۔

بہار شریعت میں ہے:

''منہاجِ نبوت پر خلافتِ حقہ راشدہ تیس سال رہی، کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے چھ مہینے پر ختم ہوئی''۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلیفہ برحق و امام مطلق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق، پھر حضرت عمر فاروق، پھر حضرت عثمان غنی، پھر حضرت مولی علی، پھر چھ مہینے کے لیے حضرت امام حسن مجتبی رضی اللہ عنہم ہوئے، ان حضرات کو خلفائے راشدین اور ان کی خلافت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں''۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت کو حضرت مولائے کائنات علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی خلافت کا تتمہ کہا جائے تو یہ بات بھی درست معلوم نہیں ہوتی۔ تیس سال کی مدت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی اس مدت میں جو بھی خلیفہ بنا وہ اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض لوگ حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت کو تتمہ کیوں قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمیں دو باتیں سمجھ آتی ہیں۔

ایک ان کی خلافت کی مدت کا کم ہونا اور دوسرا ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہونا جہاں تک مدت کے کم ہونے کا تعلق ہے اس حوالہ سے تتمہ کہنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ بن یزید جن کو لعین یزید پلید کے بعد حکومت دی گئی۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق وہ چالیس دن تک تخت کے مالک رہے۔ نہ ہی انہوں نے کوئی کام کیا اور نہ ہی لوگوں کو نماز پڑھائی۔ ان کو ہم سب مستقل حکمران بھی شمار کرتے ہیں اور نیک و صالح بھی کہتے ہیں مدت کم ہونے کی وجہ سے یزید کی حکومت کا تتمہ نہیں کہتے۔

اور اگر یہ کہا جائے حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے امام حسن علیہ السلام کی خلافت کو تتمہ کہا جاتا ہے تو عرض یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔

قِيلَ لِعَلِيٍّ: أَلَا تُوصِي؟ قَالَ: مَا أَوْصَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ واله وَسَلَّمَ فَأُوصِي، وَلَكِنْ إِنْ يُرِدِ اللهُ بِالنَّاسِ خَيْرًا فَسَيَجْمَعُهُمْ عَلَى خَيْرِهِمْ، كَمَا جَمَعَهُمْ بَعْدَ نَبِيِّهِمْ عَلَى خَيْرِهِمْ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کیا آپ وصیت نہیں کریں گے؟ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت نہیں کی تھی، تو میں کیسے وصیت کروں؟ لیکن اگر اللہ تعالی لوگوں کے لیے بھلائی چاہے گا تو انہیں ان کے بہترین شخص پر جمع کر دے گا، جیسے کہ ان کے نبی کے بعد انہیں ان کے بہترین شخص پر جمع کیا تھا''۔

(فضائل الصحابہ لاحمد بن حنبل)

صحابہ کرام نے خود حضرت امام حسن علیہ السلام کو خلیفہ چنا اور ان کے ہاتھ پر بیعت فرمائی۔ اس لیے ان کو تتمہ کہنا درست نہیں۔ اگر اسی بات کو اصول بنا لیا جائے تو پھر یزید لعین کو تو خود حضرت معاویہ نے جانشین مقرر کیا تھا۔ اور خود لوگوں سے یزید کے لیے بیعت لینا شروع کر دیا تھا۔ فتاوی رضویہ میں اعلی حضرت فاضل بریلی نے امام ذہبی کے بیسیوں بار حوالے نقل فرمائے اور متعدد بار اُن کو ''امام'' لکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام ذہبی اہل سنت کے امام ہے۔ امام ذہبی نے اپنی کتاب ''تاریخ الاسلام'' میں 'بیعۃ یزید' کے تحت لکھا کہ:

أن مُعَاوِيَة جعل ابنه وَلِيّ عهده بَعْدَهُ، وأكره النَّاسَ عَلَى ذلك

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور لوگوں کو یزید کی بیعت کرنے پر مجبور کیا''۔

امام حسن علیہ السلام کی خلافت اگر بیٹا ہونے کے اعتبار سے تتمہ ہے تو پھر یہ بھی مان لینا چاہیے کہ یزید کی حکومت حضرت معاویہ کی حکومت کا تسلسل اور تتمہ تھا۔

جو پالیسیاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھیں وہی پالیسیاں لعین یزید کی بھی تھیں۔ اور انہی پالیسیوں کی وجہ سے امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں کی شہادت ہوئی اور واقعہ کربلا پیش آیا۔ لیکن یہ بات ماننے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں ہوگا۔ اگر یزید حضرت معاویہ کی حکومت کا تتمہ نہیں ہے تو پھر حضرت امام حسن علیہ السلام بھی حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی خلافت کا تتمہ نہیں ہیں بلکہ مستقل پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔

آخر میں اپنے ان بھائیوں کے نام ایک چھوٹی سی گزارش کہ جن کے لیے امام حسن علیہ السلام کو مستقل خلیفہ ماننا ایک مشکل امر ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے امام حسن علیہ السلام کو جنتی نوجوانوں کا سردار ہونے کا اعزاز عطا فرمایا تھا تو اس وقت آپ کو معلوم تھا کہ یہ نہ تو السابقون الاولون میں سے ہیں اور نہ مہاجرین میں سے ہیں۔ اس کے باوجود جنت کی سرداری ان کو عطا فرمادی۔ جنت میں کتنے ہی السابقون الاولون اور مہاجرین میں سے ایسے ہوں گے جن کے سردار امام حسن علیہ السلام ہوں گے۔ عدل اور انصاف سے بتائیں جنت کی سرداری بڑی ہے یا دنیا کی خلافت بڑی ہے۔ اگر امام حسن علیہ السلام کی جنت کی مستقل سرداری ہم مانتے ہیں تو دنیا کی مستقل خلافت ماننے میں کیا حرج ہے؟

اللہ تعالی ہمیں نظام خلافت کا نور عطا فرمائے۔

آمین

## بقیہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

اُم القریٰ کی پہاڑیوں پر نظر پڑتے ہی ایک معنوی کیفیت سے دل کا عالم زیر و زبر ہونے لگا۔۔۔۔۔

آپ کو مکہ میں داخل ہوتے ہی یہ خبر ملی کہ محمد ﷺ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی ہونے کا اعلان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں اللہ کا آخری نبی ہوں اور یہ کہ سارا مکہ آپ کے خلاف ہو چکا ہے۔ یہ خبر دینے والا ابوجہل تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پیچھا چھڑا کر سیدھے اپنے گھر تشریف لائے۔۔۔۔۔

غلبہ شوق اور جذبہ طلب نے اتنی بھی مہلت نہیں دی کہ سامان اتار کر گھر میں قدم رکھتے۔ اسی مسافرانہ سج دھج میں بنو ہاشم کے قبیلے کی طرف نکل پڑے۔ سیدھے حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور سرورِ کائنات ﷺ کے بارے میں دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ تو کوہ ابوقبیس کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔۔۔۔۔

ایک نا معلوم وارفتگی وشوق کے عالم میں جیسے ہی وہ کوہ ابوقبیس کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ دامن کوہ میں سرور کائنات ﷺ ایک چٹان پر تشریف فرما ہیں۔۔۔۔۔

آپ ﷺ کے عارض تاباں سے رحمت اور نور کی آبشار پھوٹ رہی ہے۔۔۔۔۔

آپ ﷺ نے قدموں کی آہٹ پاتے ہی رخِ رحمت اٹھا کر دیکھا اور مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا۔۔۔۔۔

مبارک ہو۔۔۔۔۔ تمہارا آنا مبارک ہو۔۔۔۔۔

خیر مقدم کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ یونہی نہیں بیٹھے ہوئے تھے انہیں کسی نئے آنے والے کا انتظار تھا۔۔۔۔۔

اعلانِ نبوت کے بعد آپ ﷺ کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ پہلی ملاقات تھی۔۔۔۔۔

مسرتوں کے انوار سے آپ ﷺ کا چہرہ اقدس جگمگا رہا تھا۔۔۔۔۔

اور کیوں نہ جگمگاتا کہ کائنات میں ایک عظیم امت کی بنیاد پڑ رہی تھی۔۔۔۔۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے نوشتہ تقدیر کا انجام دیکھنے کے لیے حیرانی کے عالم میں خاموش کھڑے تھے۔۔۔۔۔

کہ گل قدس کی پتیوں کو حرکت ہوئی اور کشور دل کو فتح کرنے والی ایک آواز فضاء میں بکھر گئی۔۔۔۔۔

ابوبکر۔۔۔۔۔! کلمہ حق کی طرف سبقت کرنے میں پیچھے آنے والوں کا انتظار نہ کرو اللہ کا پیغمبر تمہیں حیاتِ سرمدی کی دعوت دے رہا ہے اسے بغیر کسی پس و پیش کے قبول کرو۔۔۔۔۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سر جھکائے ہوئے جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ خدا کے رسول جب دنیا میں مبعوث ہوتے ہیں تو منصبِ رسالت کی تصدیق کے لیے اپنے ہمراہ کچھ نشانیاں لے کر آتے ہیں۔۔۔۔۔

سرورِ کائنات ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ نشانیوں سے گزرنے کے بعد بھی کسی نشانی کی خواہش باقی رہ گئی ہے۔۔۔۔۔؟

کلیسا کی اس سنسان رات کو گزرے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے۔۔۔۔۔

یاد کرو۔۔۔۔۔ تمہاری داہنی کلائی کا تل دیکھ کر شام کے راہب نے تم سے کیا کہا تھا۔۔۔۔؟

میری رسالت کی تصدیق کے لیے کیا وہ آسمانی صحیفے کافی نہیں تھے۔۔۔۔۔

جنہیں رات کی تنہائی میں اس بوڑھے راہب نے تمہیں پڑھ پڑھ کر سنائے تھے۔۔۔۔۔؟

پھر تمہاری روح کا وہ اضطراب مسلسل جس نے تمہاری نیند اڑا دی ہے اور جو تمہیں غبار آلود چہرے کے ساتھ کشاں کشاں کھینچ کر یہاں لے آیا ہے۔۔۔۔۔ کیا میری رسالت کے اقرار کے بغیر بھی اس کی تسکین کا کوئی سامان ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔؟

فرطِ حیرت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ایک سکتے کی کیفیت طاری ہوگئی۔۔۔۔۔

سارا وجود حقیقت کے بے نقاب جلووں میں شرابور ہو کر رہ گیا۔۔۔۔۔

جذبات کے ہیجان میں پکار اٹھے اب مجھے کسی اور نشانی کا انتظار نہیں ہے کہ یہ شان سوائے رسولِ برحق ﷺ کے اور کسی کی نہیں ہو سکتی جو عالمِ فانی کے مخفی امور کو بالکل مشاہدات کی طرح جانتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ عالمِ ابد کی حقیقتوں سے بھی یقیناً باخبر ہیں۔۔۔۔۔

دل تو پہلے ہی مومن ہو چکا ہے اب میں زبان سے بھی اقرار کرتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور خدائے واحد کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں۔۔۔۔۔

(جاری ہے)

سنابلِ نور سے ایک اقتباس

## حضرت لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشادِ گرامی

''صاحب نسبت شخص جب یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس پر گزرنے والی واردات تین حالتوں سے خالی نہیں اگر تو وہ بالکل سطحی، وقتی اور عارضی ہوں تو یکسوئی کی اس کیفیت کو وقت کہہ دیتے ہیں اور اگر ان میں استقلال آ جائے تو پھر یہ حال بن جاتی ہیں اور حال باقاعدہ ایک نور کی شکل میں ہوتا ہے جو سالک کے سر سے لے کر اس کے مقام تک طولانی کرن کی صورت میں نظر آتا ہے اور یہ بھی ذہن میں رکھا جائے حال بے عملی اور بے التفاتی سے زائل بھی ہو جاتا ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ گرائے تو نہیں گرتا اور حال ملکہ راسخہ بن جائے تو پھر اسے مقام کہتے ہیں''۔

منجانب: سید فضل حسین شاہ، راولپنڈی

# مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ
# کی سیاسی جدوجہد اور فکری زاویے

ملک محبوب الرسول قادری

مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی تحریک پاکستان کے سرگرم رہنما، علامہ اقبال کے تلمیذ رشید اور قائداعظم محمد علی جناح کے رفیق سفر تھے۔ انہوں نے ساری زندگی قومی سیاست میں نہایت مؤثر اور فعال کردار ادا کیا وہ فاتح تختہ دار بھی تھے اور صاحب علم شب زندہ دار بھی، ان کی ساری زندگی انقلاب نظام مصطفیٰ ﷺ کے لیے انتھک جدوجہد میں گزری۔

انہوں نے اپنے زمانہ طالب علمی سے ہی سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا۔ ایم ایس ایف کے قلیدی عہدے پر فائز المرام رہے۔ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے تحریک پاکستان میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی سیکرٹری جنرل اور آخری دور میں مرکزی صدر کی حیثیت سے کام کیا۔ ایم ایل اے اور ایم این اے منتخب ہوتے رہے۔ وفاقی وزیر اور حکومت پاکستان کے سینٹر کے عہدوں پر کام کیا۔ وہ نہایت محنت شعار اور مستغنی مزاج انسان تھے ان کی تقریریں وخطبات ان کی شعوری گفتگو کا آئینہ دار ہوتی تھیں ان خطبات کی مہک، گونج اور تاثیر آج بھی پوری آب وتاب سے موجود ہے مولانا محمد عبدالستار خان نیازی کے احوال وآثار، افکار ونظریات، جدو جہد وخدمات اور کارہائے نمایاں کے حوالے سے مستقل تحقیقی کام کی اشد ضرورت ہے۔ اہل سنت کے مؤرخ میاں محمد صادق قصوری رح کا یہ مطالبہ بالکل درست تھا کہ ضیغم اسلام، مجاہد ملت، بطل حریت حضرت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی کی ہمہ جہت شخصیت پر تحقیقی کام کے لیے باقاعدہ ایک بورڈ کی ضرورت ہے کیونکہ مولانا نیازی کی سیاسی جدوجہد اور فکری زاویے آج بھی پوری قوم کے لیے رہنمائی کا سامان رکھتے ہیں لہٰذا حکومت فوری طور پر اس مقصد کے لیے ٹھوس قدم اٹھائے۔

مولانا نیازی مرحوم کی عالی صفات شخصیت سے متعلق مشہور دانشور اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر شیر محمد زمان کے یہ الفاظ مبنی برحقیقت ہیں اور سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہیں کہ مولانا محمد عبدالستار خان نیازی، ایک عہد کی تاریخ ہیں تابناک اور بے داغ تاریخ۔ جس طرح ان کے رخ زیبا کو دیکھ کر انسان بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ چہ رخ، چہ قد، چی جبیں لا الہ الا اللہ۔ بالکل اسی طرح ان کی راستی اور پختگی فکر، ان کی حق گوئی وبے باکی، ہمت واستقلال اور عشق نبی سے سرشاری کو دیکھ کر بھی اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا اگے چل کر رقم طراز ہیں۔ بیان کی رعنائی اور جذبے کی سچائی، مولانا کی خطابت کا جوہر اصلی ہے ان کے خطبات میں جہاں جوش وولولہ ہے ندرت فکر وخیال ہے داعیہ اصلاح احوال ہے وہاں گزشتہ نصف صدی کی تاریخ کے نقوش بھی صفحہ قرطاس پر مرتعش نظر آتے ہیں ان کی خطابت میں آبشار سی روانی اور بہتے دریاؤں کی جولانی ہے جب وہ اعداء ملک وملت سے مخاطب ہوتے ہیں تو ان کے لہجے کی شعلہ افشانی برق تپاں بن جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت علامہ اقبال سے محبت وعقیدت مولانا کے بدن میں خون کی طرح گردش کر رہی ہے۔ کلام اقبال پر عمیق نظر، حکمت اقبال میں گہری بصیرت، حافظے میں اقبال کے ان گنت اشعار کا بحر ذخار اور اس عمر میں بھی حسن استحضار کا یہ عالم کہ بڑے بڑے دانشوران اقبال بھی دنگ رہ جاتے ہیں مولانا کا شاید ہی کوئی ایک ایسا خطبہ ہو جو کلام اقبال سے آراستہ وپیراستہ نہ ہو۔

میں (ملک محبوب الرسول قادری) نے مولانا عبدالستار خان نیازی کی خطابت اور فکری زاویوں کے حوالے سے کئی مرتبہ غور وفکر کیا کیونکہ میں نے مولانا نیازی کے سینکڑوں خطبات ان کے ساتھ بیٹھ کر سماعت کرنے کا شرف پایا ان کی سیاسی، دینی، روحانی، علمی تقریریں میرے حاشیہ خیال میں اچھی طرح محفوظ ہیں ان کے مذاکرات پریس کانفرنسیں وفود سے ملاقاتیں اور نجی نوعیت کی گفتگو بھی مجھے خوب یاد ہے۔ آج ہم مولانا نیازی کی چند تاریخی نوعیت کے خطبات سے کچھ اقتباسات پیش کر کے نوجوانان ملت کی ضیافت طبع کا اہتمام کرتے ہیں۔

شہدائے ختم نبوت کی ابھی تک تعداد معین نہیں ہو سکی۔ موسم آئیں گے اور رتیں بدل جائیں گی، باران رحمت ہوگی اور شہداء کی قبروں کو دھو کر بہہ جائے گی، خزاں کے پتے ہوا سے اڑیں گے اور قبرستانوں میں بکھر جائیں گے، موسم بہار میں شبنم اپنے ٹھنڈے آنسو ان مزارات پر ٹپکائے گی جن کو شاید کبھی لوح مزار بھی نصیب نہ ہو لیکن کیا ہم اور ہماری نسلیں ان شہداء کے دنیاوی احسان کو کبھی فراموش کر سکتے ہیں؟ جنہوں نے اپنی جانیں دیں تاکہ تم زندہ رہو، جنہوں نے موت کی تلخی چکھی تاکہ تم نشوونما کی مٹھاس سے بہرہ ور ہوسکو، جنہوں نے اس دنیا میں اپنا سب کچھ تج دیا تاکہ تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ بھی محفوظ رہے اور آئندہ تم مزید بھی حاصل کر سکو۔ یہ ایک مشہور مسئلہ ہے کہ مسلمان کا دین اس کی دنیا سے جدا نہیں مسلمان کی سیاست اس کی عبادت سے منقطع نہیں۔ پاکستان کی سالمیت ختم نبوت کے اعتقادات سے وابستہ ہے، ختم نبوت کے بغیر نہ قوم کا نظریہ باقی رہے گا نہ ایک پاکستانی قوم، اقتصادی مشکلات کا حل بھی ختم نبوت ہے خارجہ پالیسی بھی ختم نبوت کے اصول کی محتاج ہے اتحاد عالم اسلام بھی مسئلہ ختم نبوت کے تصفیہ کا منتظر ہے، ختم نبوت ایک نئی دینی اور دنیاوی زندگی کا پیغام ہے۔ (10 مارچ 1957ء کو بیرون دہلی دروازہ لاہور، شہدائے ختم نبوت کانفرنس سے خطاب)

کسی نئے آئین بنانے کی ضرورت نہیں جماعت سازی کے لیے اکابرین مجلس کے مختلف خیالات اپنی اپنی جگہ برقرار رہیں بالغ رائے دہی کو حکومت سے تسلیم کرانے کے انتظار کی حاجت نہیں، بس ان اکابرین مجلس کا یہ مشترکہ اعلان کافی ہے کہ ہم سب

کشمیر کو آزاد کرانا باقی تمام مسائل سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں اور کشمیر اس وقت تک آزاد نہیں کرایا جا سکتا جب تک کہ پاکستان کو اس غلامی سے آزاد نہ کرایا جائے جس میں وہ 1958ء کے انتخابات کے بعد گرفتار ہو چکا ہے۔آپ کو میرے سوالات کے متبادل جوابات دینے چاہییں۔

اوّل: جو خود پاکستان میں آپ کی رائے نہیں چلتی تو کشمیر کے متعلق زبان چلانے سے کیا فائدہ؟

دوم: جب کسی آپ کسی مشترک مقصد کے لیے باہمی لڑائی اور رقابت سچے دل سے ملتوی نہیں کر سکتے تو ایسے منافقانہ اتحاد سے نتائج برآمد ہونے کی توقع کوئی معقول اور مخلص انسان نہیں رکھ سکتا۔

سوم: آپ کے اصول، آپ کے عقائد اور آپ کے ایمان کے خلاف ہنگامہ برپا ہو تو کیا کوئی مرحلہ ایسا بھی آ سکتا ہے جب آپ کسی راست اقدام پر امادہ ہوں (16 دسمبر 1962ء کو لاہور کل جماعتی کشمیر کانفرنس) پہلا مسئلہ غلط تقسیم اقتدار کا ہے تحریک پاکستان اسلامی اجتماعیت، ملی حق خود ارادیت کی تحریک تھی جس کی رو سے کوئی مسلمان سوائے شریعت کے مسلمہ احکام کے اور کسی قانون حکومت یا فرد کے تابع نہیں، قیام پاکستان کے فوراً بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اقتدار اجماع ملت کو منتقل ہوتا اور فرنگی نے فرعونی اقتدار کی مالک جو نوکر شاہی ہماری قوم کی گردن پر پیر تسمہ پا۔۔۔کی مانند سوار کر دی تھی اس سے نجات حاصل کی جاتی، دوسرا بنیادی مسئلہ غلط تقسیم دولت کا ہے، تیسرا بنیادی مسئلہ فساد اعتقاد اور اختلال تعلیم و تربیت ہے، چوتھا مسئلہ مجہولیت قیادت ہے۔

(65 فروری 1966ء گلبرگ لاہور نیشنل کانفرنس)

قومی غیرت کا دیوالیہ نکل چکا ہے انتقام وقصاص کی باوقار روایات کو چھوڑ کر غاصب کے سامنے جبین نیاز جھکائی جا رہی ہے انتہا یہ کہ مصالحانہ گفتگو کی بیل منڈے نہ چڑھے تو حق وانصاف کے اصولی موقف پر اصرار کے بجائے عرض گزاری جاتی ہے کہ اب تو مان لیں، بھوک اور افلاس کے خاتمہ کے لیے مساویانہ اقتصادی نظام کے قیام کا تقاضہ ہے کہ ملکیت، امانت اور حق تصرف کے اسلامی فلسفہ کی قدروں کا تعین کر کے انہیں عملی جامہ پہنایا جائے۔حضرات! معاشی، معاشرتی، سیاسی، تعلیمی، اخلاقی، فوجی، تاریخی اور جغرافیائی طور پر ایک قوم کا بیک وقت آزاد اور غلام رہ کر اپنے آپ کو آزاد کہلوانا ماسوائے خود فریبی کے اور کچھ نہیں۔ ہر شعبہ حیات میں ہلاکت وافلاس ہی ہمارا اپنا مقدر ہے اور باقی سب کچھ غیروں کا ہے۔ ہماری معمولی حرکت بھی غیروں کی ادا کی ہوئی بیساکھیوں کی محتاج ہے (متحدہ جمہوری محاذ نے حکومت کے خلاف ایک بل پاکستان قومی کنونشن 14 جون 1975ء کو لاہور میں منعقد کیا اس تاریخی کنونشن سے مولانا نیازی مرحوم کا خطاب) بزرگان دین، صحابہ کرام، خلفائے راشدین اور خود جناب رسول اللہ ﷺ کے مقدس ذکر کی محافل منعقد کرنا، سالانہ تقاریب کا اہتمام کرنا، جلسوں اور جلوسوں کے لیے اجتماعات منعقد کرنا اہل اسلام کی سعادت مندی اور روحانی ترقی کی ضمانت ہے حضور ﷺ کی رائے، حکم کا درجہ رکھتی ہے اور اپنی اُمت پر حضور ﷺ کا احسان تھا کہ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ طلب فرماتے تھے۔ گفتہ او گفتہ اللہ بود۔ آپ کے بعد آپ کے خلفاء، صحابہ اور تابعین کی اتباع عین اسلام ہے ان کا منکر گمراہ ہے۔ یہودی سازش یہ ہے کہ مسلمانوں کی روحانی، ایمانی قیادت کی مرکزیت میں شک وشبہ پیدا کریں وسوسہ اندازی کریں، ختم الانبیاء ﷺ کی شخصیت کو اپنے مطاعن کا نشانہ بنائیں اسلام کے تمام نام لیواؤں کا فرض ہے کہ حضور ﷺ کی ازلی و ابدی قیادت و ہدایت کو حرز جان بنا کر، غیر مشروط طور پر اپنی تمام تر توانائیاں مقام مصطفیٰ ﷺ کی تحفظ اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے وقف کر دیں۔

(1978ء میں جامعہ غوثیہ انوار باہو کوئٹہ کے سالانہ جلسہ دستار فضیلت وتقسیم اسناد سے خطاب)

نظام مصطفیٰ ﷺ انسان کی بنیادی ضرورت ہے جو اس کے خالق کی طرف سے بطور خاص انعام عطا ہوا ہے جو نظام مصطفیٰ کے رواج کے لیے سعی نہیں کرتا وہ ناشکرا ہے اسے قیامت کے دن ذلیل کر کے اٹھایا جائے گا مسلمانو! قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی کی بے لوث اور بے داغ قیادت میں متحد ہو کر جدوجہد کرتے رہو، اجر خدا کے پاس ہے (گول چوک قائد آباد میں جلسہ عام سے خطاب) ہم نظام مصطفیٰ کی آڑ میں اقتدار حاصل کرنے کو مذموم فعل سمجھتے ہیں ہم نے وزارتوں کی خاطر دین اسلام کا کبھی سودا نہیں کیا اگرچہ وزارتیں ہمارے قدموں میں پڑی ہوئی تھیں ہم نے اقتدار کو ٹھکرا دیا دین فروشی نہیں کی اسلام پسندوں کو دھیرے دھیرے اسلام نافذ کرنے کی منطق ہماری سمجھ سے بالاتر ہے اب جب ہمارے پاس اسلامی فقہ موجود ہے تو ہمیں باہر سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں، نہ اسلام کو قسطوں میں نافذ کرنے کی کوئی تک ہے۔۔ جو فقہی نظام ساڑھے گیارہ سو سال کامیابی سے نافذ العمل رہا ہے اب بھی نافذ ہو سکتا ہے۔ ہم ابھی، اسی وقت اسلام کا مکمل ضابطہ حیات نافذ کر سکتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ہمارے یورپ زدہ نئی تہذیب کے دلدادہ اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ قرار دے رہے ہیں اور ادھر یورپ و امریکہ ہمارے فوجداری قانون کو انسانیت کے لیے رحمت قرار دے رہے ہیں۔

**میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا**

غور سے سنو! سواد اعظم اہل سنت کا موقف عین رسول اللہ ﷺ کی منشا کے مطابق ہے یہی نظام مصطفیٰ ہے اور اسی پر ہم قائم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان شاءاللہ اس نظام پر قائم ودائم رہیں گے۔

(16، 17 اکتوبر 1978ء کو جماعت اہل سنت پاکستان کے زیر اہتمام مدینۃ الاولیاء ملتان میں ایک عدیم المثال کل پاکستان سنی کانفرنس سے خطاب) ایک واقعہ بتاتا ہوں، مولانا شاہ احمد نورانی نے آپ کو نہیں بتایا ہو گا، آپ کے قائد مولانا شاہ احمد نورانی کو اللہ تعالیٰ نے جو حوصلہ، جو جذبہ اور قوت ایمانی عطا فرمائی ہے وہ بے مثال ہے 1975ء کے عالمی دورہ میں جب ہم نے نیروبی، کینیا، مشرقی افریقہ کے دارالخلافہ میں تھے تو عادل فیملی کے ایک مشہور سرکاری افسر (مرکزی فائنانس سیکرٹری) نے بتایا کہ مرزائیوں کے قادیانی اور لاہوری دونوں گروپوں کے نمائندگان نے 50، 50 لاکھ یعنی ایک کروڑ روپے نقد حضرت قائد اہل سنت علامہ شاہ احمد نورانی کے سامنے پیش کیے اور کہا کہ آپ اپنی آئینی ترمیم میں جو چاہو لکھ دو، صرف اتنا کرو کہ مرزائیوں کے ان دو گروپوں (لاہوری اور قادیانی) کا تذکرہ نہ کرو صرف مرزائیوں کو کافر اقلیت قرار دینے پر اکتفا کرو، اس پر مولانا نے جواب دیا کیا سمجھتے ہو تم، میں تمہارے کروڑ پر تھوکتا بھی نہیں۔ ہم دربار مصطفیٰ ﷺ میں بک چکے ہیں ہم حضور ﷺ کی ملکیت ہیں ہمیں کوئی دوسرا نہیں خرید سکتا (25، 26 مارچ 1979ء کو راولپنڈی میں جمعیت علماء پاکستان کے زیر اہتمام ایک عدیم النظیر کل پاکستان میلاد مصطفیٰ کانفرنس سے خطاب) اُمت محمدی کی منزل

ایک قرآن ایک زبان ایک رسول ہے یہ ہمیں اتحاد کا درس دیتے ہیں مسلمان دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوں سب ایک ہی تسبیح کے دانے ہیں افغانستان میں روس جارحیت کر رہا ہے ادھر امریکہ اپنے اسلام دشمن کاروائیوں میں مصروف ہے ہم دونوں کی مذمت کرتے ہیں دونوں کا بھیانک کردار دنیا کے سامنے ہے ہمیں ان نام نہاد سپر پاورز کے سامنے گداگر کی حیثیت سے ہاتھ پھیلانے کے بجائے اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد طلب کرنی چاہیے۔

(15 جون 1980ء بروز اتوار یاپ ایڈین ہال ایمپیر زڈم ہالینڈ میں ورلڈ اسلامک مشن کے زیر اہتمام چوتھی عالمی کانفرنس سے خطاب)

جدید اور قدیم علوم کو یکجا کر کے تدریسی مراحل کو کامیابی سے طے کرنا جامعہ اسلامیہ لاہور کا اعزاز ہے مفتی محمد خان قادری کا وجود پوری قوم کے لیے نفع بخش ہے علمی حوالہ سے وہ بڑے آدمی ہیں ان کے کام کی بنیادیں مضبوط اور گہری ہیں میں ایسے علماء کو اُمت مسلمہ کا بہترین اثاثہ خیال کرتا ہوں جامعہ اسلامیہ لاہور وہ مادر علمی ہے جو مستقبل میں ملک وملت کے لیے شجر فیض رسان ثابت ہوگا۔

(جامعہ اسلامیہ لاہور میں اپنے اعزاز میں دیے گئے استقبالیہ سے خطاب)

میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان میں چار کے بجائے 10، 12 صوبے بنا دیے جائیں تا کہ یہ مسئلہ ختم ہو جائے ورنہ پنجاب کی اکثریت تو مسلمہ ہے اور اس کو حق بھی ملے گا مختلف آوازیں آتی ہیں کہ اسے بہت مل رہا ہے یہ ایک روش ہوگئی ہے کہ کراچی کو زیادہ مل گیا پنجاب کو زیادہ مل گیا یہ اضافی باتیں ہیں اس لیے پاکستان کا تصور ایک اسلامی فلاحی ریاست کا تصور ہے اگر جسم پر کوئی زخم آجائے تو دل خون ادھر ہی پھینکتا ہے مرکز اور صوبے کے تنازعات ذاتی انا، تکبر اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے حالانکہ سب کچھ آئین میں موجود ہے صوبائی لسٹ میں ، فیڈرل لسٹ میں سب کے اختیارات موجود ہیں۔

(1988ء کے آخر میں روزنامہ جنگ لاہور کے زیر اہتمام قومی یکجہتی کانفرنس سے خطاب)

جب ہم ایوان میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے بات کرتے ہیں تو حزب اقتدار کے بعض ناسمجھ اور آزادی افکار کے شائق گھبراہٹ میں یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ عربی کے جملے بول کر ہم پر رعب نہ ڈالو ان نادانوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ عربی جملے قرآن پاک کی آیات اور جناب رسالت مآب ﷺ کے ارشادات ہیں جن کی پاسداری بحیثیت مسلمان ان پر فرض ہے جناب سپیکر! قرآن مجید میں اسلامی حکومت کا منشور یوں پیش کیا گیا ہے جنہیں ہم روئے زمین پر اختیار اور غلبہ عطا کرتے ہیں وہ نظام صلوٰۃ اور نظام زکوٰۃ قائم کرتے ہیں یعنی تمام مسلمانوں کو ایک روحانی نظم اور ضابطہ کے ماتحت ایک ہی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں اور روحانی فلاحی مملکت قائم کرتے ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اس کے ساتھ ہی نظام حکومت کو چلانے کے لیے للّٰہیت، اخلاص عمل، دردمندی اور دلسوزی کی فضا قائم کرنے کی خاطر فرمایا تمہیں کسی قوم کی دشمنی یا مخالفت اس امر پر برانگیختہ نہ کر دے کہ تم عدل و انصاف کا دامن چھوڑ دو تم انصاف کرو کیونکہ یہی طرز عمل تقویٰ یعنی رضائے الٰہی کے زیادہ قریب ہے۔

مولانا نیازی نے اپنے اس طویل خطاب میں مزید فرمایا۔ زکوٰۃ کی فراہمی اور تقسیم ایک مذہبی فریضہ ہے اور قرآن پاک کی رو سے صلوٰۃ کی طرح زکوٰۃ بھی عبادت ہے اس کا منکر اور مانع مرتد اور واجب القتل ہے اسی طرح اسے اسلامی خزانہ میں ”منی بل“ کے نام سے شائع کرنا مداخلت فی الدین ہے زکوٰۃ کا روپیہ جمع رکھنا شرعاً ناجائز ہے اسے فی الفور تقسیم کر دینا چاہیے۔

عورت کی قیادت کا مسئلہ کبھی متنازع فی نہیں رہا اسلام نے مرد اور عورت کے حدود واختیارات متعین کر دیے ہیں خواتین پر رحم اور شفقت کا سلوک روا رکھتے ہوئے انہیں مشقت اور سنگین حکومتی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اس سے فوجوں کی کمانڈ اور میدان جنگ میں معرکہ آرائی سے بچایا ہے وہ مشیر بن سکتی ہے کاروبار خانہ داری کو سنبھال سکتی ہے تعلیم و تربیت اور تبلیغ دین کی بھی اسے اجازت ہے (نومبر 1979ء میں وزیر اعظم پاکستان مسز بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد کے موقع پر مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی نے بحیثیت ممبر قومی اسمبلی اپنے نقطہ نظر میں فرمایا پاکستان کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں پر خطرات منڈلا رہے ہیں نوجوانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ حالات کی نزاکت کو سمجھیں نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے لیے مجاہدانہ کردار ادا کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں۔ انجمن طلبہ اسلام انقلاب نظام مصطفیٰ کا ہراول دستہ ہے آپ محنت سے علم حاصل کریں ، کردار سازی پر توجہ دیں اور طاغوت کے ناپاک ارادے مٹی میں ملا دیں ، کتاب بہترین ساتھی ہی نہیں بلکہ عظیم رہنما ہوتی ہے بعض کتابیں تو کامل مرشد کا درجہ رکھتی ہیں انوار رضا کتب خانہ کو اچھی لائبریری بنائیں ، مذہب ، تاریخ ادب اور لسانیات کے حوالے سے اچھا لٹریچر اکٹھا کریں یہ نسلوں تک کام آئے گا اپنے دوستوں کو کتاب پڑھنے کی دعوت دو ، اجتماعی مطالعہ کرو، حاصل مطالعہ کو دوسروں تک منتقل کرو، نوجوانو! تم اقبال کے شاہین ہو مجھے تم سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں، حصول علم کی دوڑ میں تمہارے قدم پیچھے نہ ہٹیں بلکہ آگے ہی بڑھنے چاہیے۔ (انوار رضا لائبریری جوہر آباد کے افتتاح کے موقع پر خطاب)

ایک عام مسلمان سے لے کر عارف کامل، علامہ اجل تک ، ایک عام سپاہی سے لے کر کمانڈر چیف تک، ایک عام آدمی سے لے کر صدر مملکت تک کے لیے حضور ﷺ کی ذات اقدس میں ایک نمونہ کامل ہے کیونکہ حضور ﷺ صدر مملکت بھی تھے، کمانڈر ان چیف بھی تھے، قاضی القضات بھی تھے، معلم بھی تھے، ملک التجار بھی تھے ، مدرس بھی تھے ، مزکی بھی تھے ، آپ نے اپنے ہاتھ سے مسجد کی تعمیر میں حصہ بھی لیا اس لیے حضور ﷺ کی ذات اقدس ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے ۔ جناب صدر ! آپ نے فرمایا کہ نیو ورلڈ آرڈر کہاں سے لائیں؟ کہاں سے معلوم کریں؟ میں عرض کرتا ہوں۔ حضور ﷺ ہمیں نیو ورلڈ آرڈر دے کر گئے ہیں، آج زمانہ پھر پھیرا کر اس درجہ کمال تک پہنچ گیا ہے اس مقام پر آ گیا ہے جس پر اللہ نے اس کی تخلیق کی ہے ان حالات میں آپ نے فرمایا کہ نیو ورلڈ آرڈر کے لیے دین اسلام ہے جس کو چلانے کے لیے فرزندان توحید ہیں۔

ہر ایک منتظر تیری یلغار کا
تیری شوخی و فکر و کردار کا

اگر ہم ایک اُمت ہیں اگر ایک قوت اور طاقت ہیں تو نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کی وجہ سے ، ہمارا ان سے غلامی اور اطاعت کا تعلق ہے اس سے حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ دونوں تعلق ہونے چاہیے اطاعت اور عشق دونوں کا ، جہاں اطاعت ہے

اور محبت نہیں وہ منافقت ہے۔ عبداللہ بن ابی آپ کے پیچھے نماز پڑھتا تھا لیکن اس کا سینہ عشق مصطفیٰ کا مدینہ نہیں تھا اور جو محبت کی بات کرے اور عمل نہ کرے وہ بھی ایک ڈھونگ ہے۔ حضور ﷺ نے بحیثیت کمانڈر ان چیف کیسے کمال کیا 300 میل 10 ہزار فوج سفر کرتی ہے اور دشمن کو پتہ نہیں چلتا۔ نہ معلوم حضور ﷺ نے کس راستے کو اختیار کیا تھا:

وہ دانائے سبل، ختم رسول، مولا کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قران، وہی فرقاں، وہی یاسین، وہی طٰہٰ

(23 ستمبر 1991ء کو وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان کے زیر اہتمام اسلام اباد میں سالانہ سیرت کانفرنس میں خطبہ استقبالیہ دیا اس کا اقتباس)

درد دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

وزیر اعظم صاحب! طاقت انسان کا دماغ خراب کر دیتی ہے اقتدار سے دماغ میں خلل پیدا ہوتا ہے اور دولت سے بھی خلل پیدا ہوتا ہے قوت اور اقتدار کے غلط استعمال کا نام فرعونیت ہے مال اور دولت کے غلط استعمال کا نام قارونیت ہے اسلام نے قوت اور اقتدار کے متعلق اپنا ایک تصور پیش کیا ہے حاکم مطلق وہی ہے بقول اقبال:

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آذری

حضور ﷺ کا فرمان ہے۔ اللہ یعطی و انما انا قاسم۔ اللہ تعالی نے جو کچھ اس کائنات میں رکھا ہے حضور ﷺ اس کے آخری امین ہیں امانت اور نیابت سے جو تصور سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ خلافت علیٰ منہاج نبوت ہے۔

The caliphate is the pattern of prophethood

(23 ستمبر 1991ء کو وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان کے زیر اہتمام اسلام اباد میں سالانہ سیرت کانفرنس میں حضرت مجاہد ملت کا خطبہ)

آج لوگ گمراہ کن پروپگنڈا کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے سر تھامس آرنلڈ نے حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں اپنی کتاب اشاعت اسلام میں تاریخی واقعات سے ثابت کیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق محمدی کے زور سے پھیلا ہے۔ بوسنیا کے حالات دیکھیے اگر کوئی عیسائی ریاست ہوتی تو یہ لوگ اتنی دیر تماشہ نہ دیکھتے عیسائیوں اور ملحدوں کو اسلحہ مل رہا ہے اور مسلمان جلا وطن کیے جا رہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ جس طریقے سے یہ انسانیت اس وقت پستی کی طرف جا رہی تھی اس کو بچانے کے لیے حضور ﷺ کا نظام لانا ضروری ہے۔

حضرات! ہم نے سلمان رشدی کی خرافات و بکواس پر احتجاج کیا بھارت کے مظلوم مسلمانوں پر ڈھائے گئے ظلم و ستم کے خلاف احتجاج کیا تو ہمیں اور انہیں بنیاد پرست کہا گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس گمراہی سے نکلنے کی واحد صورت یہ ہے کہ سب دنیا نبی پاک ﷺ کے پیغام کو سامنے رکھے سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: الخلق عیال اللہ۔

یہ پہلا سبق تھا کتاب ھدی کا
مخلوق ساری ھے کنبہ خدا کا

(11 ستمبر 1992ء کو سالانہ قومی سیرت کانفرنس میں حضرت مجاہد ملت کی بحیثیت وفاقی وزیر مذہبی امور کلیدی خطاب) ترمذی میں مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! یہ پہاڑیاں، یہ جھاڑیاں تیرے نبی پر صلوٰۃ والسلام پیش کرتی ہیں جب کوہ احد پر تشریف لے گئے تو وہ آپ کی آمد پر خوشی سے جھومنے لگا۔ حضرت علامہ اقبال سے کسی نے تعجب سے پوچھا کہ پہاڑ کیسے رقص کرنے لگا انہوں نے فرمایا:

اے نادان! حضور ﷺ کے قدوم ممنت لزوم سے پہاڑوں میں جان پڑ گئی۔ ہمارے ایمان کا مدار تو حضور ﷺ کی محبت ہے نبی کی ذات مبارکہ سے تعلق اور نسبت بلا شبہ بہت بڑی نعمت ہے اگر ہم اس نعمت کو قائم و دائم رکھیں گے تو ہم میں باہم محبت و الفت اور یگانگت پیدا ہوگی اور اتحاد بین المسلمین کے عملی مظاہرے ہوں گے ہم نے اتحاد بین المسلمین کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی ہے اس کمیٹی میں تمام مسالک کے اکابر ہیں اس طرح نفاذ شریعت اور فلاح مملکت کے لیے کمیٹیاں قائم کی ہیں مجھے اُمید واثق ہے کہ ان کمیٹیوں کے معزز اراکین اپنی علمی، ثقافتی اور دینی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ایسی تجاویز و آراء دیں گے جو ہمارا مقصد پورا کر سکیں گی۔ عزیزان ملت! نبی اکرم ﷺ کی شان اور علو مرتبت کا کیا کہنا کہ خود قرآن کہتا ہے اس لیے آؤ:

زلف یار کی باتیں کریں
حسن اور رخسار کی باتیں کریں

(12 ربیع الاول شریف 1413ھ۔ سیرت النبی کانفرنس۔)

اشتمالی نظام کے ہوا میں تحلیل ہو جانے کے بعد سرمایہ دار دنیا واضح طور پر ایک نئے عالمی نظام کو متعارف کرا رہی ہے جو دیکھنے میں رنگ و نسل مذہب، دولت و سرمایہ اور کیش و قومیت کا شاخسانہ ہے امت مسلمہ کا تمام سرمایہ مغرب کے ہاتھوں میں جا رہا ہے اور منحوس صورتحال انہیں تکنیکی پیش رفت کے لیے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کر رہی ہے جس کے بل بوتے پر وہ مسلم امہ کے اقوام پر نیا عالمی نظام مسلط کرنا چاہتے ہیں اس سیاق و سباق میں اسلام کے تمام حقائق سے متمتع ہونا ہوگا جو انسانی زندگی پر پوری طرح محیط ہے اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں یا محض گلدستہ قوانین ہی نہیں یا ایک فلسفہ ہی نہیں یا اقتصادی نظام ہی نہیں یا محض ایک ثقافت و تمدن، حکمت عملی یا عقیدہ، قوم یا ریاست کا تصور یا نظریہ یا سائنس یا جینے کا فن ہی نہیں بلکہ یہ درحقیقت زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے اور اس کے افاقی اور ابدی ہدایات تمام مخلوق کے لیے ہیں اور ان پہلوؤں کا وجود عقلی ترقی، انسانی اور غیر انسانی شخصیتوں کے ترقی و فنا خلاق اعظم ربّ اللہ ربّ العزت کی روحانی ہدایات کی معرفت کے دم سے قائم ہے اس لیے اسلام ایک ایسا دین ہے جو اپنا ہی نظام ایمان، عبادات، ضابطہ حیات، فلسفہ زندگی، معاشی نظام، تہذیب و ثقافت، اسلامی سیاست و حکمت اور نظریہ مملکت پیش کرتا ہے اور سائنسی اختراع و ترقی کا نظریہ، تقوی و ورع کے اقدار کی روشنی میں اس طرح پیش کرتا ہے کہ نسل پرستی، علاقائی تعصب رنگ و نسل اور ذات پات کا مکمل خاتمہ کر کے آفرینش سے لے کر ابد العباد تک کی زندگی کے تمام روحانی و مادی پہلوؤں پر محیط ہے اسلام کی اس نظریاتی اور اعتقادی تعریف کے بعد ہم انسانیت کے لیے ایک عالمی نظام کی جانب اسلام کی بنیادی تعلیمات کے موقف کے ساتھ پیش قدمی کر سکتے ہیں مجاہد اسلام حضرت صلاح الدین ایوبی نے 14 مغربی ریاستوں کے متحدہ فوج کو شکست دی اور وہ اس قابل تھے کہ اپنی فوج کو اس وقت کے سود

سے پاک معیشت کے نظام کے تحت مطلوبہ تعداد میں اسلحہ اور گولہ بارود مہیا کرتے۔

(مصر میں منعقدہ 19 تا 23 فروری 1993ء پانچویں اسلامی کانفرنس میں مولانا محمد عبدالستار خان نیازی وفاقی وزیر برائے مذہبی امور کا خطاب)

ہم پھر دوبارہ سندھ کو وہی سندھ بنائیں جو 1942ء کا سندھ تھا یہاں کے لوگوں کے اندر وہ اخوت ومحبت ہو آپ شاہ لطیف بھٹائی کی بات کرتے ہو، بزرگان دین کی بات کرتے ہو ، باھمی احترام کی محبت کی بات کرتے ہو تو اس محبت اور اتحاد، ایثار اور قربانی کا جذبہ ایک ایک فرد کے اندر پیدا کرنا ہو گا ایم کیو ایم، جماعت اسلامی ہو یا کوئی اور سب سے پہلے ملک کو بچاؤ، ملک کے بچانے کی تدبیر کرو۔

(سینٹ میں مولانا عبدالستار خان نیازی کا خطاب)

میں نورانی صاحب اور اپنے متعلق ذکر کرتا چلوں، ہمارا اگرچہ اختلاف تھا مگر ہم ورلڈ اسلامک مشن میں متحد تھے مولانا صاحب صدر اور می سینیئر نائب صدر ہوں، ملی یکجہتی کونسل کے وہ سربراہ اور ہم اس کے رکن ہیں ان کے سسر مولانا محمد فضل الرحمن مدنی ہمارے مہربان مرشد ہیں حضرت مدنی کے والد صاحب حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی رحمہ اللہ نے ازراہ شفقت سلسلہ قادریہ میں مجھے بھی مجاز قرار دیا ہے مولانا فضل الرحمن مدنی نے کہا تھا نیازی صاحب تم میرے بھائی ہو اور مولانا نورانی میرے داماد ہیں میں دونوں سے محبت کرتا ہوں مولانا نورانی کی والدہ ماجدہ نے مجھے کہا نورانی تمہارا چھوٹا بھائی ہے۔ہم میں جو اختلافات پہلے تھے وہ آج ختم ہو گئے۔

(30 اکتوبر 1995ء کو موچی دروازہ لاہور کے تاریخی گراؤنڈ میں ایک روزہ سنی کنونشن سے خطاب)

اور ہم ان شاء اللہ پھر دوبارہ مقام مصطفیٰ کے تحفظ اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے مل کر جدوجہد کریں گے کیونکہ اس وقت اسلام کے خلاف کفر کی ایک خوفناک یلغار ہے دوسرا (Exploitation) فتنہ سودی معیشت ایک لعنت ہے کشمیر کے مسئلے میں سیکورٹی کونسل اور یو این او نے جو فیصلہ کیا تھا وہ استصواب رائے عامہ تھا نہرو نے اس کا اقرار بھی کیا اب پاکستان یو این او سے کہے کہ وہ ہندوستان کا محاسبہ کرے اگر عراق سیکورٹی کونسل کا فیصلہ نہ مانے تو اعلان جنگ اور بھارت کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ کہے تو یو این او تماشہ دیکھیں حکومت پاکستان نے یہ رخ اختیار نہیں کیا۔ 60 ہزار کشمیری شہید ہو چکے ہیں اس سے زیادہ تعداد میں مجروح ہیں مسلمان خواتین کی کھلم کھلا ابرو ریزی کی جا رہی ہے ان حالات میں غیرت اسلامی کا تقاضا ہے کہ مسلمان یو این او سیکورٹی کونسل کو مجبور کریں کہ بھارت کے خلاف وہی اقدام کیے جائیں جو کویت، عراق کے مسئلہ میں عراق کے خلاف کیا گیا تھا اگر یو این او اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ کرے تو او آئی سی سے فورا یو این او سے استعفی دے کر اپنی اسلامی دولت مشترکہ قائم کریں اور بھارت کے خلاف اعلان جہاد کریں۔

(اپریل 1996ء کے پہلے عشرہ میں نوائے وقت، ملی فورم، کشمیر کا حل۔ جہاد یا سیاسی وسفارتی حمایت؟ میں عنوان بالا کے تحت مذاکرہ ہوا حضرت مجاہد ملت کے خطاب کا اقتباس)

اہل سنت ہی پاکستان کے حقیقی وارث ہیں کیونکہ انہوں نے پاکستان بنایا بنارس سنی کانفرنس میں پانچ ہزار علماء ومشائخ اور 7 لاکھ عوام اہل سنت نے پاکستان کی تائید وحمایت کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ اگر قائداعظم کسی وقت پاکستان کے قیام کی جدوجہد مؤخر کردیں تو ہم پاکستان بنا کر دم لیں گے

حضرات! پاکستان تو بن گیا لیکن اس میں مصطفی کریم ﷺ کا نظام آج تک نافذ نہیں ہو سکا جبکہ ہمارا آئین یہ کہتا ہے کہ پاکستان میں قانون سازی کتاب وسنت کے مطابق ہوگی اور پاکستان میں کوئی قانون ایسا نہیں بن سکے گا جو کتاب وسنت کے خلاف ہوگا پاکستان کے تمام قوانین کو شریعت کے مطابق ڈھالنا آئینی تقاضہ ہے جس سے مسلسل انحراف کیا جا رہا ہے (30 اکتوبر 1996ء کو مینار پاکستان لاہور کی تاریخی سبزہ زار میں کل پاکستان سنی کانفرنس کے اجتماع سے شدید علالت میں خطاب) برصغیر اولیاء کے مبارک قدموں سے روشن ہے اس دھرتی کے باسی سکھوں اور ہندوؤں کو خدا کے محبوب بندوں نے اسلام آشنا کیا۔ خاندان غلاماں، تغلق، غوری، غزنوی، ہمایوں، خلجی اور سارے مغلیہ حکمران سنی مسلمان تھے کوئی نجدی، خارجی، رافضی یا بدعقیدہ نہ تھا سارے درود وسلام پڑھنے والے تھے اورنگزیب عالمگیر کا فتاویٰ عالمگیری تو عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا ہے امام فضل خیر آبادی، اعلی حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی اور علامہ اقبال جیسے بزرگوں کی جدوجہد اس دور کے مشائخ کو اپنی طرف متوجہ کر کے اپنی طرف بلا رہی ہے جاہل اور نکمے پیروں سے قوم کی جان چھڑاؤ، اس سے معاشرے میں فکری انقلاب ائے گا۔حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ 90 سال کی عمر میں بھی جوانوں سے زیادہ جذبے کے ساتھ کام کرتے تھے مشائخ ملک وملت کی خدمت کے لیے ان کا طریقہ اپنائیں۔الیکشن میں وڈیروں کو ووٹ مت دو، آنے والا الیکشن تمہارے ایمان کا امتحان ہے آزمائے ہوئے جھوٹے اور مکار سیاستدانوں کو طہارت کے ڈھیلے کی طرح مسترد کر دو۔(سرور شہید پارک جوہر آباد میں جمعیت علماء پاکستان کے ضلعی تربیتی کنونشن سے خطاب)

مجدد ملت، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے برصغیر میں محبت رسول کے بوٹے کی حفاظت کی، گستاخوں کا قلعہ قمع حفر مایا بارگاہ رسالت کا ادب سکھایا وہ ہستی مختلف علوم وفنون سے مزین تھی وہ علوم قرآن کے امین تھے نعت گوئی ان کا وصف اور عشق رسول ان کی میراث تھا وہ اولیاء کاملین کا بہترین نمونہ تھے حضرت صاحبزادہ پیر محمد عتیق الرحمن فیض پوری کی یہ عظیم کانفرنس خوشی کا سبب ہے (میر پور آزاد کشمیر میں تاجدار بریلی کانفرنس سے زندگی کا آخری خطاب) پاکستان کا مطلع سیاست پر آفتاب نیم روز کی طرح چمکنے والے بزرگ سیاستدان مولانا محمد عبد الستار خاں نیازی کی سیاسی جدوجہد اور دنیائے خطابت کے اس شہسوار کے فن خطابت پر تو ایک جہان گواہ اور معترف ہے اور ان کی صدائے بازگشت آج بھی برابر سنائی دے رہی ہے، ہم ان کی تقریروں وخطبات سے آج بھی اسی طرح رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں جس طرح ان کی حیات میں ان کی باتیں رہنمائی کرتی تھیں خداوند تعالی ان کو فردوس بریں میں اعلی مقام عطا فرمائے آمین۔۔۔تحفظ عقیدہ ختم نبوت کے لیے حضرت مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ نے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں اور انہیں سزائے موت کا حکم بھی ہوا آپ کی ان خدمات کے اعتراف میں قادر الکلام ممتاز شاعر سید عارف محمود مجہور رضوی نے منفرد نوعیت کے قطعات کہے ہیں۔

بقیہ: صفحہ نمبر 42 پر

# مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ

ماسٹر احسان الٰہی قصور

حضرت علامہ امام شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مقامِ مصطفیٰ کے تحفظ اور نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کی تحریک کے بہت بڑے محرک اور علمبر دار تھے۔تحریک ختم نبوت، تحریکِ نظام مصطفیٰ ﷺ اور تحریک ناموس رسالت میں ان کے قائدانہ کردار کو تاریخ کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔ ہر سال دسمبر کا دوسرا عشرہ شروع ہوتے ہی پاکستانی سیاست کے ایک روشن اور اجلے کردار کی یاد تازہ کر دیتا ہے بلکہ مولانا شاہ احمد نورانی کی کمی پہلے سے بھی زیادہ شدت سے محسوس کی جاتی ہے کیونکہ وہ ایک ایسی ہفت پہلو اور ہشت رنگ شخصیت کے مالک تھے جس میں علم و عمل کا حسین امتزاج موجود تھا۔وہ انتہائی صاحب بصیرت، پیکرِ اخلاص اور منبع حسنات تھے۔علّامہ شاہ احمد نورانی جمعیت علما پاکستان کے صدر، ورلڈ اسلامک مشن کے چیئر مین اور ملی یکجہتی کونسل کے صدر نشین تھے۔ وہ اقتدار کی قوتوں کو ببانگ دہل للکارتے اور کلمۂ حق بلند کرتے رہے اور علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق تھے:

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی 18۔رمضان المبارک 1344ھ بمطابق یکم اپریل 1926ء کو ہندوستان کے شہر میرٹھ کے ایک دینی، علمی اور ادبی گھرانے میں پیدا ہوئے جو ہندوستان میں مذہب کے ساتھ ساتھ علم وادب میں بھی نمایاں مقام رکھتا تھا۔ آپ صدیقی النسب ہیں۔خاندان خالص علمی وروحانی پایا۔آپ کے والدِ گرامی مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت مولانا شاہ عبد الحکیم رحمۃ اللہ علیہ حسان الہند شیخ الاسلام سیدی امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔مولانا شاہ احمد نورانی اپنے والد مکرم کے ساتھ دنیا بھر کے مختلف ممالک میں جاتے رہے۔ یہی وجہ ہے مولانا نورانی کو عربی، انگریزی، ڈچ، جرمنی، فرانسیسی، فارسی اور افریقہ کی علاقائی زبانوں پر بڑا عبور تھا۔وہ عراق، لیبیا، برطانیہ ہالینڈ، فرانس، امریکہ، جنوبی افریقہ اور فلپائن زبانوں میں بھی یکساں طور پر بڑی روانی سے خطاب کرتے تھے۔وہ امریکہ کی یونیورسٹیوں میں انگریزی میں لیکچر دیتے رہے۔ وہ عراق اور لیبیا کے اعلیٰ اجلاسوں میں عربی زبان میں فصیح وبلیغ خطاب کرتے اور فرانس اور ہالینڈ کے علمی مراکز میں کھل کر بات کرتے۔ آج پاکستان کا شاید ہی کوئی ایسا لیڈر ہو جو ترجمان کے بغیر ان ممالک میں براہِ راست لوگوں کو مخاطب کر سکتا ہو۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے میرٹھ کی عظیم الشان درسگاہوں سے مختلف علوم وفنون کی تربیت حاصل کی۔ تفاسیر واحادیث میں سند فضیلت لے کر پاکستان آئے۔آپ نے پاکستان میں علمائے دین اور مشائخ وقت کے ساتھ علمی اور روحانی رابطے کیے اور اپنے والد کے زیر تربیت رہ کر جن علمی مقامات اور روحانی احوال کا مطالعہ کیا تھا، اس میں اہلِ علم وفضل اور مشائخ عظام کی مجالس میں پہنچ کر اضافہ کیا۔آپ کی ابتدائی زندگی ایک ابھرتے ہوئے عالمِ دین اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے سامنے آئی۔آپ کے والدِ گرامی عمر کے آخری حصے میں اپنے ذاتی مکان مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے۔مولانا نورانی بھی اپنے والد گرامی کے زیر سایہ ایک عرصہ تک مدینہ پاک میں رہے۔آپ کے والد مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں ہی واصل بحق ہوئے اور جنت البقیع میں راحت وسکون پایا۔مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ سے پاکستان آئے تو کراچی صدر میں ایک کرائے کا فلیٹ لیا۔ پاکستان نے بہت رنگ بدلے اور اتار چڑھاؤ آتے رہے مگر شاہ احمد نورانی چالیس سال تک اسی فلیٹ میں کرایہ دار کی حیثیت سے اپنے اہل وعیال کے ساتھ مقیم رہے۔

## علامہ شاہ احمد نورانی کے سیاسی وغیر سیاسی شب و روز

آپ نے قرآنِ حکیم حفظ کیا اور پھر ساری زندگی اسے حرزِ جاں بنا لیا۔مولانا نورانی رمضان المبارک میں اپنی سیاسی مصروفیات اور غیر ملکی دورہ جات ترک کر کے کراچی میں قرآن پاک سنانے کے لیے موجود رہتے۔ وہ خوش الحان قاری تھے جب رمضان المبارک میں مصلّی سناتے تو سامعین عجیب اور خوش گوار روحانی سکون سے مستفیض ہوتے۔ اپنی زندگی میں 68 بار قرآن پاک سنانے کی سعادت حاصل کی اور 68 سال میں کوئی ناغہ نہیں کیا۔جنرل ضیاء الحق کے زمانہ اقتدار میں میر علی احمد تالپور مرحوم وزیر دفاع تھے۔ وہ میر بھی تھے اور امیر بھی اور اوپر سے وفاقی وزیر بھی، مگر ایک دانش ور ہونے کی وجہ سے شاہ احمد نورانی کے علم وفضل کی قدر کرتے تھے۔ایک وقت آیا کہ جنرل ضیاء الحق کی مخالفت کی وجہ سے شاہ احمد نورانی سے کبیدہ خاطر تھے، اس کے باوجود انہوں نے ایک دن اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے بتایا کہ جنرل ضیاء الحق نے اکثر مولویوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا مگر یہ مولوی نورانی قابو نہیں آیا۔ جنرل ضیاء الحق نے مولانا نورانی کو رام کرنے کے لیے مجھے اشارہ کیا مگر مولانا نورانی نہ میرے قابو میں آئے اور نہ ضیاء الحق کی انٹیلی جنس انہیں رام کر سکی۔آخر کار ضیاء الحق نے فیصلہ کیا کہ ائیر مارشل اصغر خاں کی طرح مولانا نورانی کو بھی ان کے گھر میں نظر بند کر دیا جائے۔میں (تالپور) نے جنرل ضیاء کو بتایا کہ اس مولوی کو چھوڑ دیں، یہ عام لوگوں میں قرآن پڑھتا ہے تو لوگوں کے دل ڈھل جاتے ہیں اور جب ''قصیدہ بردہ'' پڑھتا ہے تو میں دست بستہ کھڑا ہو جاتا ہوں۔مگر سنا ہے کہ وہ رات کو ''حزب البحر'' پڑھتا ہے۔اس وظیفے کی مار سات سمندروں کی تہوں میں بھی اپنے مخالف کو نشانہ بناتی ہے۔اس کے بعد جنرل ضیاء

الحق نے مولانا کی نظر بندی کا خیال چھوڑ دیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی کا لباس اِسلامی لباس کا نمونہ تھا۔ فقیرانہ لباس، سر پر بُنی ٹوپی پر گہرا براؤن عمامہ، گلے میں رنگین اور جاذب نظر پٹکا اور ہاتھ میں عصائے عالمانہ، وہ جب نورانی لباس میں نورانی آن بان سے نکلتے تو ایک درویش سیرت مسلمان کی شبیہہ سامنے آجاتی اور لوگ دیکھتے ہی رہ جاتے۔ راقم کو بھی متعدد بار اُن سے مصافحہ کا شرف حاصل رہا۔ وہ ہر سال مسلسل دارالعلوم جامعہ حنفیہ رجسٹرڈ قصور کے بانی و مہتمم محترم المقام مولانا مفتی محمد عبداللہ قادری اشرفی کی دعوت پر جلسہ دستارِ فضیلت و تقسیم اسناد میں بطلِ حریت مولانا عبد الستار نیازی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ قصور میں تشریف لاتے اور لوگ ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے اور ان دونوں روحانی ہستیوں کی زیارت سے قلب و روح کو تسکین پہنچاتے۔ مولانا نورانی صاحب جمعیت علمائے پاکستان کے صدر اور نیازی صاحب علیہ الرحمہ جنرل سیکرٹری ہوا کرتے تھے اور سالہا سال تک یہ قابلِ رشک جوڑی ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت سے برقرار رہی جیسے کہ جماعت اہل سنت پاکستان کے صدر محترم مظہر سعید کاظمی اور ناظمِ اعلیٰ مفکرِ اسلام، مفسرِ قرآن کی جوڑی نے شہرت حاصل کی اور جماعت اہل سنت کو اُس کا اصل مقام عطا فرمایا اور جماعت کے لیے بہت خوشگوار اثرات مرتب کیے۔

لیکن حوادثِ زمانہ، اپنوں کی ریشہ دوانیاں اور بہت سی وجوہ کی بنا پر مولانا نورانی اور نیازی مرحوم کے راستے الگ الگ اور جدا ہو گئے اور جمعیت علمائے پاکستان انتشار کا شکار ہوگئی اور دو گروپوں نورانی اور نیازی میں بٹ گئی۔ آج جمعیت علمائے پاکستان قائم تو ہے لیکن اُس کی وہ آن، بان اور شان نہ رہی جو نورانی، نیازی گٹھ جوڑ میں ہوا کرتی تھی۔ انہوں نے کبھی دولت کے حصول کے لیے ہاتھ پاؤں نہیں مارے۔ وہ زراندوزی کے دور میں بھی فقیری کی مثال اور اسمبلیوں میں رہ کر بھی تہی دست رہے۔ سیاسی لیڈروں کی دولت مندی کو تو چھوڑیے، ان کے بنک اکاؤنٹ میں مولویوں اور سرکاری سجادہ نشینوں سے بھی بہت کم بینک بیلنس تھا اور یہی صورتحال آپ کے خاص رفیق کار مولانا عبدالستار خان نیازی کی بھی تھی۔ سیاسی مصروفیات کے باوجود مولانا نورانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملک اور بیرون ملک کی دینی درسگاہوں کی سرپرستی سے غافل نہیں رہتے تھے۔ ان کی ترقی اور استحکام پر نظر رکھتے تھے۔ وہ ملتِ اسلامیہ کے ان فرزندان دین کی بے پناہ قدر کرتے جو مدارس اور مساجد میں دین کی تعلیم و تدریس میں مصروف ہوئے۔ وہ دینی مدارس کی تقسیم اسناد کی تقاریب میں پہنچ کر اساتذہ اور طلباء کی مالی مدد کرتے اور کراتے جو دین کی خدمت کے لیے دن رات کوشاں رہتے تھے۔ درجنوں علمائے کرام ہیں جو مولانا نورانی کی توجہ سے مدرسے چلاتے رہے ہیں۔ مفلوک الحال ان علماء کی مالی خدمت انتہائی رازداری سے کرتے تھے۔ آج تو تشدد کا اتنا زبردست زمانہ ہے کہ اندھے قتل ہماری زندگی کا لازمہ بن چکے ہیں۔ مولانا نورانی پر بھی کئی حملے ہوئے۔ قتل کے منصوبے بھی بنے اور قاتلانہ گولیاں بھی سرسرائیں مگر مجال ہے کہ اس شخص نے کبھی مقدمہ، کبھی استغاثہ، کبھی فریاد اور شکایت کی ہو، سارے معاملات اللہ کے سپرد کر رکھے تھے اور وہ ان کی حفاظت بھی کرتا تھا۔

مولانا شاہ احمد نورانی اسلامی تبلیغ و تربیت کے ساتھ ساتھ اپنے مریدوں کی روحانی تربیت سے بھی غافل نہیں تھے بلا مبالغہ اندرون و بیرون ملک لاکھوں لوگ آپ سے بیعت میں اور ان کے مشن، ان کی متعین کردہ راہوں، مقامِ مصطفیٰ کے تحفظ اور نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے سرگرداں رہتے ہیں۔

آپ سیرتِ طیبہ کے رنگ میں رنگے ہوئے ایسے عظیم مسلمان راہنما تھے کہ جس پر سوادِ اہل سنت ہی نہیں بلکہ پورا عالمِ اسلام فخر کرتا رہے گا۔ اس بات کا اندازہ اس امر سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ قوم نے آپ کو قائدِ اہلِ سنت، شیخ الاسلام، قائدِ ملت اسلامیہ، امام انقلاب، قطب العصر اور مرشدِ زماں کے القاب سے یاد کیا۔ اور ''حق وصداقت کی نشانی! شاہ احمد نورانی'' زبان زدِ عام تھا۔

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے چالیس برس ملک کی سیاست میں بھرپور اور منفرد کردار ادا کیا۔ انہوں نے ملک کی دینی سیاست میں نفاذ نظام مصطفیٰ ﷺ اور تحفظ مقام مصطفی ﷺ کی اصطلاحات کو رائج کیا۔ وہ ملی یکجہتی کونسل اور متحدہ مجلسِ عمل کے بانی بھی تھے اور سربراہ بھی۔ مولانا نورانی کی بھرپور شخصیت کا اندازہ اِس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ 4 اپریل 1970ء کو جمعیت علمائے پاکستان کے مختلف چھ گروپوں کو متحد کرنے کے لیے اکابر نے جو اجلاس طلب کیا تھا اس کی صدارت کے لیے شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا شاہ احمد نورانی کو دعوت دی۔ وہ تحریکِ ختم نبوت 1974ء کے محرک اور قائد تھے۔ آپ نے 30 جون 1974ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں قرارداد پیش کی جس کے نتیجے میں تحریک چلی اور بالآخر 7 ستمبر 1974ء کو سربراہِ مملکت ذوالفقار علی بھٹو نے اسمبلی کے فلور پر قرارداد کی منظوری کا اعلان کیا۔

آپ نے 1946ء کی بنارس سنی کانفرنس میں بھی اپنے والدِ گرامی کے ساتھ شرکت کی اور نعت شریف پڑھنے کا اعزاز اور شرف پایا۔ اکثر تبلیغی دوروں کے سلسلے میں ملک سے باہر رہتے اور ساری دنیا کی سیاحت کی خصوصاً افریقی ممالک موریشس، کینیا، تنزانیہ، نیروبی، دارالسلام، یوگنڈا، موزمبیق اور مشرقی افریقہ میں بھرپور تبلیغی کام کیا۔ انہیں عربی، فارسی، انگریزی کے علاوہ بہت سی افریقی اور ساحلی زبانوں کے بھرپور تبلیغی کام کیا۔ انہیں عربی، فارسی، انگریزی کے علاوہ بہت سی افریقی اور ساحلی زبانوں کے ساتھ ساتھ دیگر زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ 1980ء میں کولمبیا یونیورسٹی نیویارک امریکہ میں اسلام کی ہمہ گیریت کے موضوع پر خطاب کے دوران سوال و جواب کی نشست کے اختتام پر ایک خاتون پروفیسر نے اسلام قبول کرلیا۔ وہ ایک بے باک اور نڈر لیڈر رہنما تھے۔ حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جرأت واستقامت سے بات کرنا اور اپنے مؤقف پر ڈٹ جانا مولانا نورانی کا خاصہ تھا۔ مولانا نورانی نے صدر پاکستان یحییٰ خاں کو اس وقت ڈانٹ دیا جب وہ اپنے آفس میں ایک میٹنگ کے لیے موجود تھے اور ان کے سامنے شراب رکھی ہوئی تھی مولانا نورانی جلال میں آگئے اور کہا کہ تم اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر ہو اور یہ شراب نوشی اسلامی قوانین سے بغاوت ہے۔ اسے اٹھواؤ ورنہ تمہارے ساتھ بات نہیں ہوسکتی۔ یحییٰ خاں کو شراب اٹھوانا اور معذرت کرنا پڑی۔ جنرل ضیاء الحق کے زمانے میں بڑے بڑوں نے مصلحت کی چادر اوڑھ لی۔ مولانا نورانی اس وقت بھی حکومت اور ڈکٹیٹر پر کھل کر تنقید کرتے ہوئے جلسۂ عام میں کہا کرتے تھے کہ جنرل صاحب آپ کہتے ہیں ''اسلام آ رہا ہے، اسلام آ رہا ہے''۔ اگر اسلام عرب شریف سے اونٹوں کے ذریعے بھی آ رہا ہوتا تو کب کا پاکستان پہنچ گیا ہوتا۔ او ظالم! اسلام تو چودہ سو سال پہلے سے آچکا ہے۔ تم اس کے نفاذ کی بات کرو اور مولانا نیازی صاحب ضیاء الحق کے سامنے انہیں ٹھنڈی دوزخ کہتے

تھے تو جنرل صاحب جھینپ سے جاتے اور کی حالت کھسیانی بلی کھمبا نوچے والی ہوجاتی۔مولانا نورانی نے جنرل پرویز مشرف کے زمانے میں بھی تحفظ ناموسِ رسالت کے قانون 296-C کے عملی نفاذ کے لیے دو ٹوک انداز میں آواز اٹھائی تو پرویز مشرف کو اپنا اعلان واپس لینا پڑا۔مولانا نورانی نے ذوالفقار علی بھٹو جیسے مطلق العنان حکمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔مولانا شاہ احمد نورانی نے چٹا گانگ جا کر جلسہ عام منعقد کیا اور ٹانگیں توڑنے کی دھمکی دینے والے حکمران کو للکارا۔

مولانا نورانی نے کارزارِ سیاست میں مصروف رہنے کے باوجود تبلیغی مشن کو جاری رکھا۔وہ دین اور دنیا کو برابر وقت دیتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ اپنی اولاد کو بھی گرائمر سکولوں میں تعلیم دلوائی مگر دین کی تعلیم میں بھی کوئی کمی نہ آنے دی۔مولانا نورانی کی اہلیہ کا تعلق سعودی عرب سے ہے۔ان کے گھر میں دو ثقافتوں کے باعث اسلام مکمل طور پر نافذ رہے۔ان کی بیٹیاں دینی اور جدید تعلیم سے آراستہ ہیں اور پر اعتماد زندگی بسر کر رہی ہیں۔مولانا کے تبلیغی دوروں کے دوران مختلف ممالک کے کئی غیر مسلم باشندے اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔مولانا کے اہل خانہ، گھر اور طرزِ زندگی میں اسلامی مزاج نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔مولانا 1947ء سے کراچی صدر بوہری بازار کے گنجان علاقے میں میمن مسجد سے ملحقہ قدیم عمارت کے ایک مختصر سے فلیٹ میں کرایہ دار کی حیثیت سے تادمِ مرگ رہائش پذیر رہے۔فلیٹ کے بیرون دروازے پر مولانا کی دن بھر کی مصروفیات کے نظام الاوقات کی تختی آویزاں ہوتی۔سیاست میں آنے سے پہلے آپ مختلف وظائف کی ادائیگی میں ساری ساری رات گزار دیتے تھے۔دعائے ''حزب البحر'' اور ''قصیدہ بردہ'' سیاسی مصروفیتوں کے باوجود تادمِ مرگ معمولات میں شامل رہتا۔اُن کا نعت شریف اور درود و سلام پیش کرنے کا ایک منفرد انداز تھا اور دل چاہتا تھا کہ مولانا پڑھتے چلے جائیں اور سامعین مسحور کن روحانی کلام سنتے چلے جائیں۔مولانا نورانی کی اہلیہ محترمہ بھی مدینہ یونیورسٹی کی فاضلہ اور جدہ یونیورسٹی کی ڈاکٹر ہیں اور اکثر تبلیغی دوروں میں مولانا کے ہمراہ ہوتیں اور یورپ، ساؤتھ افریقہ وغیرہ کے دوروں میں ساتھ جاتی رہیں۔مولانا نورانی کے چار بیٹے تین بیٹیاں ہیں۔

## مولانا نورانی بطور نظریاتی سیاستدان

1970ء میں حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی صدر جمعیت علمائے پاکستان کے بعد آپ کو جمعیت کا صدر چُنا گیا، اُس وقت جمعیت علمائے پاکستان سنیوں کی ایک دینی اور تبلیغی جماعت تھی، نہ الیکشن، میں حصہ لیتی، نہ انتخابی مہموں میں۔مولانا شاہ احمد نورانی نے علمائے اہلِ سنت کا ایک قافلہ تیار کیا اور کراچی سے چترال تک اور کھوکھراپار سے خیبر تک علماء و مشائخ میں دینی بیداری اور اعتقادی یکجہتی کے لیے کام کیا اور شہر بہ شہر، قریہ قریہ پہنچ کر علمائے کرام کو حجروں، مدرسوں، خانقاہوں اور مسجدوں کو دینی اور روحانی مراکز بنانے کے لیے تیار کیا۔وہ سیاست کے طویل سفر میں رات کے آخری لمحوں تک ملک کے مختلف علاقوں میں سیاسی اور دینی جلسوں میں خطاب کرتے تھے مگر مجال ہے کہ وہ نماز تہجد تک قضا کریں۔وہ زمین کے فرش پر سوتے، مساکین کے ساتھ بیٹھنے اور غرباء کی محفل میں وقت گزارنے سے نہیں اکتاتے تھے۔اور گھر کی گھریلو اشیاء، سبزی وغیرہ لینے کے لیے ہاتھ میں تھیلا پکڑے بازار کی طرف نکل پڑتے تھے۔

مولانا نورانی نے پارلیمانی سیاست کا آغاز 1970ء میں کیا جب وہ پہلی مرتبہ کراچی سے رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔دوسری مرتبہ وہ حیدرآباد سے 1977ء میں رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔1980ء میں سینیٹر منتخب ہوئے اور 1990ء میں انہوں نے سیاست کو خیر باد کہہ کر دین کی ترویج اور نشر و اشاعت پر بھرپور توجہ دی لیکن جنرل پرویز مشرف کے حکومت سنبھالنے کے بعد انہوں نے ایک مرتبہ پر سیاست میں قدم رکھا اور متحدہ مجلس عمل (ایم ایم اے) کی بنیاد رکھی جس کے مرکزی صدر مقرر ہوئے۔2002ء کے انتخابات میں متحدہ مجلس عمل نے بھرپور کامیابی حاصل کی اور خیبر پختونخواہ میں صوبائی حکومت قائم کی جبکہ قومی اسمبلی میں بھرپور اپوزیشن کا کردار سنبھالا۔1977ء کے انتخابات میں دھاندلی کے خلاف اپوزیشن جماعتوں نے دوبارہ انتخابات کے مطالبے کی تحریک چلائی۔اس تحریک کے پیشِ نظر ایئر مارشل اصغر خاں، مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا مفتی محمود، شیر باز مزاری سمیت دیگر سیاسی و دینی راہنماؤں کا مشاورتی اجلاس ہوا اور اسی تحریک میں رنگ بھرنے کے لیے ایک ہی گاڑی میں مولانا نورانی، مولانا مفتی محمود اور ایئر مارشل اصغر خاں نے سفر کیے۔مولانا نورانی جو بات کہتے تھے اس پر ہمیشہ قائم رہتے تھے اور وہ ایک مخلص، نڈر اور بے باک نظریاتی شخصیت کے حامل عالم دین تھے، اسی وجہ سے مولانا مفتی محمود سمیت قومی اتحاد کی قیادت ان پر مکمل اعتماد و بھروسہ کرتی تھی اور ان کی رائے کا ہمیشہ احترام کیا جاتا تھا۔مولانا شاہ احمد نورانی قومی اتحاد کے ان راہنماؤں میں سرِ فہرست تھے جو مارشل لاء کے سخت مخالف تھے اور بھٹو صاحب سے صرف دوبارہ الیکشن کا مطالبہ کر رہے تھے۔

1977ء میں جب 9 ستاروں کی تحریک کا آغاز ہوا تو پہلے ہفتے لوگوں کی جانب سے اس پر مثبت ردِ عمل سامنے نہیں آیا تو تحریک کی کامیابی کے لیے منصوبہ بندی مرتب کی گئی اور کوہالہ پل پر جلسے کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔میٹنگ میں ایئر مارشل اصغر خاں سے کہا گیا کہ آپ تحریک کی کامیابی کے لیے کوئی کردار ادا کریں تو اسی لیے جب کوہالہ پل پر جلسے کے دوران ایئر مارشل اصغر خاں کو خطاب کی دعوت دی گئی تو انہوں نے تحریک میں جان ڈالنے اور عوام کو جوش دلانے کے لیے اپنی زندگی کا واحد متنازع بیان دیا اور کہا کہ ہم بھٹو کو کوہالہ پل پر لٹکائیں گے۔ان کے اس بیان سے جلسے میں موجود عوام میں نیا جوش اور ولولہ پیدا ہوا اور جلسہ بہت کامیاب رہا۔اس جلسے کے بعد نشتر پارک کراچی میں جلسہ عام کا اعلان کیا گیا اور مولانا نورانی، ایئر مارشل اصغر خاں سمیت قومی اتحاد کی قیادت کراچی ایئر پورٹ پر پہنچی تو عوام کا نہ ختم ہونے والا جمِ غفیر ان کے استقبال کے لیے موجود تھا۔بی بی سی نے رپورٹ کیا کہ کراچی ایئر پورٹ سے نشتر پارک تک 12 گھنٹے کے سفر کے بعد پہنچی۔جلسے کے دوران مولانا شاہ احمد نورانی کو جب خطاب کی دعوت دی گئی تو انہوں نے اپنی تقریر کے دوران عوام سے وعدہ کیا کہ اگر آپ قومی اتحاد کو ووٹ دیں گے تو ہم اقتدار سنبھالنے کے بعد ملک میں ''نظام مصطفی ﷺ'' نافذ کریں گے۔ان کے اس ایک نکاتی منشور کے بعد جیسے تحریک منٹوں میں کامیابی کی طرف چل پڑی۔مولانا نورانی کے اس عزم کے بعد ملک بھر میں جوش و ولولے کا نہ رکنے والا طوفان پیدا ہو گیا اور ملک بھر میں عوام نے سرکاری فورسز کے خلاف مزاحمت کا ایسا سلسلہ شروع کر دیا جس میں آئے روز شہادتیں ہوئیں۔

مولانا نورانی کے اس یک نکاتی منشور نے تحریک

کو ایسی جان ڈالی کہ 17 دن کی مختصر مدت میں ہی تحریک کامیاب ہوگئی اور بھٹو صاحب کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا لیکن جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی ، ایئر مارشل اصغر خاں اور شیر باز مزاری مارشل لاء کے مخالف تھے ۔ اسی لیے قومی اتحاد میں سے ان تینوں راہنماؤں نے ضیاء الحق کی کابینہ میں شمولیت سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ فوری الیکشن کے انعقاد کے لیے اپنی تحریک جاری رکھی جبکہ ان راہنماؤں کے علاوہ قومی اتحاد کے دیگر سیاسی راہنماؤں نے ضیاء الحق کی کابینہ میں شمولیت کر کے ''نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نفاذ کے منشور سے انحراف کیا ۔ الغرض مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنی ساری زندگی اسلام کی تبلیغ، ترویج، نشرواشاعت میں صرف کی اور انہوں نے سیاست ذاتی مفاد کے لیے نہیں بلکہ ملک میں حقیقتاً ''نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نفاذ کے لیے کی اور ان کے قول و فعل سے مکمل طور پر یہ ثابت ہوا کہ وہ اپنے نظریات پر مرتے دم تک ثابت قدم رہے اور کبھی بھی دولت، اختیارات یا کسی اور وجہ سے انہوں نے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ وہ ملک میں تمام مکاتب فکر کے اتحاد اور اس پر عملی طور پر عمل درآمد کی زندہ مثال تھے۔ انہوں نے تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام کو کامیابی سے ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے دینی جماعتوں کے اتحاد کو عملی طور پر نہ صرف ممکن بنایا بلکہ انتہائی کامیابی کے ساتھ اتحاد بین المسلمین کا عملی نفاذ کر کے دکھایا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنی زندگی کی 77 بہاریں دیکھیں اور ان کے دو بائی پاس بھی ہوئے ۔ انہوں نے بھرپور اسلامی، دینی، ملی اور سیاسی سرگرمیوں میں بھرپور، قابلِ رشک اور قابلِ تقلید کردار اور مقام پیدا کیا جو تاریخ کے سنہری اوراق میں محفوظ رہے گا ۔ 11 دسمبر 2003ء کو اسلام آباد میں متحدہ مجلس عمل کے اجلاس اور پریس کانفرنس میں شرکت کی تیاری میں مصروف تھے کہ حرکتِ قلب بند ہونے کے سبب کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئے۔

**بقیہ: مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی**

**چند ملاحظہ ہوں**

اللہ اللہ دین حق کی آبرو
غازی ختم نبوت ضیغم اسلام تھا

مرد غازی ، مرد حق ، مرد خدا
بالیقین قدرت کا ایک انعام تھا

عزم و ہمت کا بجا تھا تاجدار
استقامت کا تھا وہ کوہ وقار
اپنے قول و فعل سے ثابت کیا
خود کو محبوب خدا کا جانثار

غازی ختم نبوت ، مرد حق
آج بھی تجھ پر جہاں کو فخر ہے
جرآت و مردانگی کی سلطنت
حق نے کی کیا وہ تیری نذر ہے

جان کو رکھ کر ہتھیلی پر چلا
حرمت سرکار کی شہراہ پر
کوئی بھی نہ چال ، باطل کی ہوئی
کارگر اس مرد حق آگاہ پر

دار کو چوما بنام مصطفی
عزت و توقیر بخشی جیل کو
غازی ختم نبوت کے سبب
مل گئی اکسیر دیں کی بیل کو

اہل سنت کی بڑھائی آبرو
لاج رکھی ہے رسن اور دار کی
طنطنہ تجھ سے شجاعت کو ملا
شان ہے تو جرآت اظہار کی

زندگی بھر ہے رہا پیش نظر
عظمت ختم نبوت کا فروغ
تیرا ہم پایا نہیں کوئی کہیں
کوئی نہیں اس میں ذرا سا بھی دروغ

قادیانی کا کیا بند ناطقہ
کی صدا تردید ہے مردود کی
تیری تربت پر ہوں رب کی رحمتیں
راہ تو نے کفر کی مسدود کی

## معروضاتِ ضیغم

رشک کے قابل ہیں صفحات دلیل راہ کے
مثال ہیں اوصاف کی مندرجات دلیل راہ کے

منزلوں کی مشکلوں کے حجر تراشنے کا گُر
نرگسوں کا نور ہیں باغات دلیل راہ کے

غم ہے ہر دم اب مفقود صفحۂ ہستی پر
کامل ہیں رہبر رہنما ملفوظات دلیل راہ کے

تعلیم ہے کمال کی شاہراہ پہ گامزن
اوج ثریا پر ہیں کمالات دلیل راہ کے

قرآن کی تفسیر بھی اور شرحِ حدیث بھی
بحر ہدایات ہیں موضوعات دلیل راہ کے

توحید کا جلال ہیں جمالِ مصطفیٰ کے ساتھ
ایمان کی اساس ہیں پہلو جات دلیل راہ کے

حق کا ترجمان اور سچ کے شہزور ہیں
منصۂ شہود پر اعزازات دلیل راہ کے

پوچھتی ہیں آسماں سے نور نور کہکشاں
کرشمات و کرامات ہیں سلسلہ جات دلیل راہ کے

محیط ہیں کئی دہائیوں پر اشاعت کے سلسلے
مبنی بر ہیں استقامت اوقات دلیل راہ کے

شریعت کے محاسن ہیں اساس اوصاف تصوف کے
یہی ہیں راز بلندیٔ درجات دلیل راہ کے

قرطاس کی تقدیس ہے افکار کے فروغ سے
ضامن ہیں بقا کے نظریات دلیل راہ کے

ضیغم کی معروضات کو بھی اعزاز حاصل ہے
باعث برکات ہیں پیغامات دلیل راہ کے

انجینئر سرفراز احمد ضیغم